زندگی کے سبق آموز اور دلچسپ واقعات

برصغیر کا مردِ حُریت

قائدِ اعظم

ترتیب و تدوین

محمد یوسف وحید

ایمان ، اتحاد اور تنظیم کے حوالے
سے قائد اعظم کی زندگی کے
سبق آموز اور دلچسپ واقعات

قائداعظمؒ

(99 واقعات)

ترتیب وتدوین
محمد یوسف وحید
نینی تال والا

ناشر: الوحید ادبی اکیڈمی، خان پور

ضابطہ

نام کتاب .... (ایمان، اتحاد، تنظیم) قائداعظمؒ

مصنف .... محمد یوسف وحید

اشاعت اوّل .... جولائی 2019ء

سرورق .... الوحید گرافکس خانپور

چھاپہ خانہ ....

قیمت ....

منگوانے کا پتہ

الوحید ادبی اکیڈمی، خان پور

068-5574901

'ہمارے پیارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس قرآن مجید کا ایک نسخہ ضرور ہونا چاہیے اور ہر ایک کو اپنا پیشوا آپ ہو جانا چاہیے۔' (قائداعظمؒ)

طلبہ کے نام

'تم میں بہت سے جناح پیدا ہوں گے، اب مجھے مستقبل کے تمہارے ہاتھوں میں ہونے سے کوئی اندیشہ نہیں۔'

قائداعظمؒ

پیش لفظ

عظیم لیڈر اور مردِ حُریت

قائداعظم محمد علی جناح کے والد کا نام جناح پونجا اور والدہ کا نام مٹھی بائی تھا۔ قائداعظم کے بہن بھائیوں میں رحمت، مریم، احمد علی، بندے علی، شیریں اور فاطمہ جناح شامل تھے۔ ایمی بائی اور مریم المعروف رتی بائی قائداعظم کی شریکِ حیات تھیں، قائداعظم کی واحد اولاد اُن کی بیٹی دینا جناح تھیں جو مریم سے پیدا ہوئیں۔

لنکن اِن سے بیرسٹری کی تربیت حاصل کرنے والے قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئے ہائیکورٹ میں بطور وکیل رجسٹرڈ کروایا اور 1896ء میں اپنی عملی زندگی کا آغاز لندن گراہم ٹریڈنگ کمپنی میں اپرنٹس شپ کر کے کیا۔

قائداعظم نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز 1906ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت سے کیا، قائداعظم 1913ء میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ 1916ء میں آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس کے مابین ہونے والے میثاقِ لکھنؤ کو مرتب کرنے میں بھی انہوں نے اَہم کردار ادا کیا۔

قائداعظم وہ عظیم لیڈر رہے جسکے بارے میں شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے فرمایا: ''نہ تو اسے خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ خیانت کر سکتا ہے''۔ 1920ء میں جب قائداعظم محمد علی جناع کی شادی ہوئی تو اُنہوں نے اپنے غسل خانہ کی تعمیر میں اُس وقت کے پچاس ہزار روپے خرچ کیے۔ مگر یہی جب گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے ہیں تو قائداعظم ڈیڑھ روپے کا موزہ لینے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غریب مسلمان ملک کے گورنر کو اتنی مہنگی چیز نہیں پہننی چاہیے۔ ایک دفعہ سرکاری استعمال کے لیے (37) روپے کا فرنیچر لایا گیا۔ قائداعظم نے لسٹ دیکھی تو سات روپے کی ایک کُرسی اضافی آئی ہے، آپ نے

پوچھا یہ کس کے لیے ہے؟ تو کہا گیا کہ آپ کی بہن فاطمہ جناح کیلئے، آپ نے فرمایا کہ اس کے پیسے فاطمہ جناح سے لو۔

1933 ء سے **1946** ء تک قائداعظم محمد علی جناح نے کم وبیش **17** قراردادیں پیش کیں، جس میں فلسطین کے حقِ خودارادایت کی بات کی گئی۔ یہ وہ دَور تھا جب پاکستان بھی وجود میں نہیں آیا تھا مگراس کے باوجود اُن کے دل میں اُمتِ مسلمہ کے لیے جذبہ کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا کہ ’’پاکستان اُسی روز وجود میں آ گیا تھا جس روز پہلا شخص یہاں مسلمان ہوا تھا‘‘۔ ظاہر ہے جب برصغیر میں پہلے شخص نے کلمہ پڑھا تو یہاں ایک تہذیب، ثقافت اور دین کی بنیاد پختہ ہوگئی۔ کلمہ گو اَفراد کے نام، آداب اور معاشرت بدل گئی۔ پہلے شخص کے کلمہ پڑھنے سے ہندو اور مسلم میں جو نظریاتی لکیر قائم ہوئی، درحقیقت وہی فرق جو بعد اَزاں مطالبہ پاکستان اور قیامِ پاکستان کی وجہ بنا۔

الغرض قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے کن کن پہلوؤں کا تذکرہ کیا جائے۔ وہ برصغیر کی عظیم کرشماتی شخصیت کے مالک اور مردِ حُریت تھے۔ تاریخ کے معیار پر اگر پرکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح تحریکِ آزادی کی آخری سربر شخصیت تھے جسے اُن کی ذات میں اپنا نقطہ عروج حاصل ہوا۔

قائداعظم کی زندگی کے سبق آموز اور دلچسپ واقعات پر مشتمل یہ کتاب ’ایمان، اتحاد اور تنظیم کی روشنی میں ’قائداعظم **99** واقعات‘ پیشِ خدمت ہے۔ انسانی بساط وکوشش کے مطابق کتاب کے مواد اور معیار کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کے باوجود اگر کہیں کوئی کمی رَہ گئی ہو تو نشان دہی پر آپ کا ممنون رَہوں گا۔

محمد یوسف وحید

الوحید ادبی اکیڈمی خان پور، جولائی ۲۰۱۹ء

1۔ سیاست میں اخلاق کی پابندی نجی زندگی میں اخلاقی اصولوں پر کاربند رہنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے

1946ء کا اوائل تھا۔ بنگال قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہونے والے تھے۔ میں مسلم چیمبر آف کامرس کلکتہ کی طرف سے اُمیدوار تھا۔ نامزدگی کی تاریخ سے صرف دو دن پہلے چیمبر کے ایک رکن نے اپنی نامزدگی کے کاغذات داخل کر دیے۔ چیمبر کے پرانے کارکن اور رہنما سٹپٹا گئے۔ انہوں نے اُسے سمجھایا بجھایا اور دباؤ بھی ڈالا مگر اس نے کاغذات واپس لینے سے انکار کر دیا۔

اُن دنوں قائداعظم میرے ہاں کلکتے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک شام ہم گاڑی میں سیر کر کے واپس آئے تو عبدالرحمٰن صدیقی جو ایک آزمودہ کار سیاستدان اور میرے دیرینہ دوست تھے دوڑے دوڑے آئے اور بتایا کہ وہ میرے مخالف سے ملے تھے۔ بڑی لمبی چوڑی گفت گو کے بعد وہ شخص کاغذات نامزدگی واپس لینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ شرط یہ رکھی ہے کہ جو 250 روپے اُس نے فیس کے داخل کیے ہیں اُسے دے دیے جائیں۔ قائداعظم اپنے کسی خیال میں مستغرق تھے۔ انہوں نے بات نہ سنی۔ صدیقی سے فرمایا کہ وہ اپنے الفاظ دہرائیں۔ صدیقی نے حکم کی تعمیل کی اور پھر کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح قائداعظم کے ملامت بھرے الفاظ ہمارے دل و دماغ میں پیوست ہو گئے۔

”روپیہ ادا کر دو گے؟ ایک اُمیدوار کو بٹھانے کے لیے بالواسطہ رشوت؟ نہیں، کبھی نہیں اُسے جا کر یہ کہہ دو کہ تمہاری پیشکش مسترد کر دی گئی۔ حسن تمہارا مقابلہ کرے گا۔“

عبدالرحمٰن صدیقی لمحہ بھر کے لیے نو بھونچکا ہو کر رہ گئے۔ پھر سنبھلے اور عرض کیا: ’’میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گا‘‘ اور چلے گئے۔ ہم عقبی برآمدے میں چلے آئے اور آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ گئے قائداعظم مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

’’میرے بچے! اُسے یہی جواب ملنا چاہیے تھا۔ سیاست میں اخلاق کی پابندی نجی زندگی میں اخلاقی اُصولوں پر کاربند رہنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ اگر تم پبلک زندگی میں کسی غلط کام کا ارتکاب کرو گے تو ان لوگوں کو نقصان پہنچاؤ گے جو تم پر اعتماد کرتے ہیں‘‘۔ (ایم۔اے۔ایچ اصفہانی)

2۔نازک ترین موقع پر سچ کا دامن نہیں چھوڑا

جون 1947ء میں بلوچستان کا ریفرنڈم ہونے والا تھا۔ میں سندھ حکومت سے چھ ہفتے کی چھٹی لے کر کوئٹہ پہنچ گیا اور وہاں کے سرداروں ہی کو شاہی جرگے کی میٹنگ میں اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ بلوچستان پاکستان میں شامل ہوگا کہ یا انڈیا میں۔ مذاکرات کئی نازک مرحلوں سے گزر کر آخر کامیابی کی منزل تک پہنچ گئے۔ تمام رکاوٹیں سر ہو چکی تھیں۔ کانگرسی لیڈر خان عبدالصمد اچکزئی اور ان کے ساتھی مایوس ہو چکے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ شاہی جرگہ پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دے گا لیکن عین آخری مرحلے پر مخالفوں نے ایک پریشان کن چال چلی جس سے کھیل بگڑ جانے کا خطرہ تھا۔ سرداروں کو اس بات سے ڈرا دیا تھا کہ اگر پاکستان میں شامل ہو گئے تو مالی امداد جو اس وقت دہلی کی مرکزی حکومت سے مل رہی تھی، بند ہو جائے گی اور سرداری حقوق اور مراعات بھی ختم ہو جائیں گی۔ اگر انڈیا میں رہے تو حسبِ سابق مالی امداد اور سرداری حقوق قائم رہیں گے۔

اس بات سے سردار بہت گھبرا گئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ قائداعظم اس بات کی گارنٹی دیں کہ پاکستان بن جانے کے بعد سرداروں کے تمام حقوق محفوظ رہیں گے اور مرکز کی طرف سے جو مالی امداد اب ملتی ہے بدستور جاری رہے گی۔ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ قائداعظم دہلی میں تھے اور شاہ جرگے کے اجلاس میں صرف دو دن باقی تھے۔ اتنی جلدی قائد سے بات چیت کرنا بہت مشکل تھا۔ بالآخر میں نے ایک ایکسپریس ٹیلی گرام کے ذریعے قائداعظم کو اطلاع دی کہ میں ٹیلی فون پر اگلے روز شام کو چار بجے ان سے ایک نہایت اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت فون کے ذریعے دہلی سے رابطہ قائم ہوا۔ کوئٹہ کے ٹیلی فون محکمہ کے مسلمان عملہ نے بہت مدد کی۔ قائداعظم فون پر آ گئے اور آواز بالکل صاف تھی۔ ایسے محسوس ہوا جیسے سامنے کھڑے ہوں۔

فوراً سلام عرض کیا اور میں نے کہا: ”قائداعظم! بلوچستان کے سردار پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں گارنٹی دیں کہ اُن کے جملہ حقوق محفوظ رہیں گے اور مالی امداد انہیں حسبِ سابق ملتی رہے گی۔“

قائداعظم نے پُرزور لہجے میں انگریزی میں جواب دیا:

I can give no guarantee.Tell them they should trust me and they should not play into the hands of my emenies

(میں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ ان سے کہہ دو کہ وہ مجھ پر بھروسہ کریں اور دشمنوں کے جھانسے میں نہ آئیں)

پھر قائداعظم نے مجھ سے پوچھا: ''What will you tell them?''
(تم ان سے کیا کہو گے؟) میں نے قائداعظم کے الفاظ دہرائے اور ابھی آخری لفظ میرے ہونٹوں پر تھا کہ نواب جوگزئی نے میرے ہاتھ سے ٹیلی فون لے لیا اور قائد اعظم سے مخاطب ہو کر کئی بار قائداعظم، قائداعظم پکارا اور ٹیلی فون رکھ دیا۔

شاہی جرگے کے سردار اُس وقت سامنے بیٹھے تھے۔ نواب جوگزئی نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا: ''میری بات ہوگئی ہے۔ قائد نے کہا فکر مت کرو'' پھر مجھ سے سرداروں نے دریافت کیا تو میں نے بھی یہی کہا کہ قائد کہتے ہیں۔ ''مجھ پر بھروسہ کرو دشمنوں کے جھانسے میں نہ آنا۔ مجھ پر اعتبار کرو۔''

اس کے بعد کوئٹہ کے اخبارات نے شام کے ضمیمے شائع کر دیے اور قائداعظم سے ٹیلی فون پر بات چیت کی خبر چاروں طرف مشتہر کر دی۔ دوسرے دن شاہی جرگے نے اتفاق رائے سے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

قائداعظم کی اس بات پر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی کہ اتنے نازک موقع پر بھی ڈپلومیسی سے کام نہ لیا اور دوٹوک جواب دے دیا جس میں کسی قسم کا رَکھ رَکھاؤ نہ تھا۔ حالانکہ قائد کو اس بات کا علم تھا کہ کانگریسی ایجنٹ سرداروں کو اس قسم کی گارنٹی اور وعدے دے کر پھسلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قائداعظم بھی کوئی سبز باغ دکھا کر وقت فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے لیکن انہوں نے بلاخطر صاف بات کہہ دی اور کسی قسم کی سودے بازی سے انکار کر دیا۔ یہ تھا بے نظیر کردار ایسے نازک وقت میں جبکہ مملکت کی بقاء کا مسئلہ سامنے ہو اور صاف گوئی سے سخت نقصان کا احتمال ہو تو کون یہ جرأت کر سکتا ہے کہ سچ کا دامن تھامے رکھے۔ (محمد مسعود)

3۔ ضابطے کی پابندی

1946ء کا واقعہ ہے کہ علی گڑھ میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت ایک نوجوان طالب علم محمد نعمان ایم۔ اے نے کی۔ دیگر مقررین کے بعد جب آپ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو صدرِ جلسہ نے آپ کو تقریر کرنے سے روک دیا۔ آپ فوراً بیٹھ گئے اور جب اُس نے دوبارہ تقریر کرنے کے لیے کہا تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد آپ نے مسٹر نعمان سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی تو اُس نے کہا کہ میں نے مجمع پر رعب بٹھانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ اس پر آپ نے کہا: ''تم نے میرا نظم وضبط دیکھا۔ تم کو ایسے ہی نظم وضبط سے کام لینا چاہیے۔''

اگر اُس وقت آپ کی جگہ کوئی اور لیڈر ہوتا تو وہ اپنی توہین سمجھ کر فوراً جلسہ سے چلا جاتا اور اس طرح جلسے میں انتشار پیدا ہو جاتا۔ (محبوب عالم عکس)

4۔ قائداعظمؒ کو غلطی پر سرزنش

اُنہیں اُصول کی بات دل وجان سے پسند تھی۔ یہاں تک کہ وہ اُصول کے معاملے میں اپنے ملازمین تک کی ترش باتیں سن کر بدمزہ نہ ہوتے تھے۔ ان کا ایک ملازم تھا عبدالکریم لمبا تڑنگا تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ ایک روز میں اُن کے پاس تھا۔ کچھ خط وکتابت کا سلسلہ تھا۔ اتنے میں عبدالکریم سونے کی ایک گھڑی لے کر آیا اور اس نے بڑی بدتمیزی سے قائداعظم کے سامنے تقریباً پٹختے ہوئے کہا: ''دیکھو جی! آئندہ کبھی ایسی حرکت مت کرنا۔ تم نے کوٹ میں چھوڑ دی تھی۔ میں دھوبی کو کوٹ دے دیتا تو میرا نام بدنام ہوتا۔''

وہ قائداعظم کو ڈانٹ کر چلا گیا تو میں نے کہا: ''بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔'' مگر قائداعظم

با کل خفا نہیں ہوئے ۔ کہنے لگے: ''کیوں، بدتمیز کیوں ہے؟ اس نے غلطی پر سرزنش کی ہے۔ اس میں بدتمیزی کا کیا سوال؟''۔ (مطلوب الحسن سید)

5۔ میں تمہارے محکمے کے سربارہ کو حکم نہیں دے سکتا

قائداعظم کو بیمار دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوتا اور میں چپکے چپکے اُن کی صحت کی دعائیں مانگا کرتی کہ وہ پاکستان کی بیش قیمت متاع تھے اور پاکستان کو ان کی بقا کی سخت ضرورت تھی۔ میں یہ سوچ کر لرز جاتی کہ اگر انہیں کچھ ہوگیا؟ ایک دن قائداعظم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی ملازمت سے مطمئن ہوں۔ میں نے سر جھکا کر کہا۔''جی ہاں''۔ پھر میں ذرا جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔''لیکن میں اپنی تبدیلی کوئٹہ میں کرانا چاہتی ہوں۔ مگر محکمہ کے حکام اعلی میری بات نہیں مان رہے۔'' قائداعظم نے میری بات نہایت توجہ اور انہماک سے سنی۔ جب میں نے اپنی بات مکمل کر لی تو وہ مسکرائے اور کہنے لگے۔ دیکھو! مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے لیکن میں تمہارے محکمہ کے سربراہ کو کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ ہم میں سے ہر شخص کو سرکاری قواعد اور نظم وضبط کا پابند ہونا چاہیے۔'' قائداعظم کی اس بات نے مجھ پر بڑا اثر کیا۔ وہ ملک کے سربارہ تھے لیکن سرکاری نظم وضبط سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ (مسز اکرام تھینیل)

6۔ قانون کو بھر صورت فوقیت حاصل ھے

جنوری 1947ء میں ایک واقع پیش آیا۔ سندھ میں مسلم لیگ کی وزارت تھی۔ ہم نے جونا مارکیٹ میں جلسہ کیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جلسے کے لیے جو آخری وقت مقرر کیا تھا ہم اُس سے پندرہ بیس منٹ تجاوز کر گئے۔ یہ اجازت نامہ نیشنل گارڈ کراچی کے

سالار جناب عثمان افغانی (یہ صاحب ان دونوں دوبئی میں ٹھیکیداری کرتے تھے) کے نام تھا۔ قانون کی خلاف ورزی پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اُنہیں پچاس روپے جرمانہ کر دیا۔ عدم ادائیگی کی صورت میں انہیں تین دن کی قید کاٹنا تھی۔ ہم نے جناب عثمان کو جرمانہ ادا کرنے سے منع کر دیا تاکہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اُنہیں جیل بھیجے تو ہمیں موومنٹ چلانے کا بہانہ مل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عثمان افغانی گرفتار کر لیے گئے اور نیشنل گارڈ نے احتجاجی جلوس نکالا جو سیکرٹریٹ کے سامنے مظاہرہ کر رہا تھا کہ پولیس نے اس پر لاٹھی چارج کر دیا۔ ہمارے ذہن میں تھا کہ حکومت مسلم لیگ کی ہو، اگر ہم نے جلسہ میں پندرہ بیس منٹ زیادہ لگا بھی لیے تو کوئی قیامت ٹوٹ پڑی ہے! یہی بات ہم وزیر سندھ کو احتجاج کے ذریعے بتانا چاہتے تھے۔ پولیس کے لاٹھی چارج سے ہمارے پندرہ بیس آدمی زخمی ہو گئے اور سو کے قریب حوالات میں بند کر دیئے گئے ہم بہت خوش تھے۔ چلو کچھ ہلچل تو ہوئی۔ اتفاق سے ان دنوں قائداعظم کراچی میں تھے۔ انہوں نے وزیراعظم سے لڑکوں کی رہائی کے لیے کہا اور ہم سات طلبہ کو جو اس ہنگامے میں سرکردہ تھے اپنے پاس طلب فرمالیا۔ ان میں، میں بھی تھا۔ قائداعظم نے پوچھا: ''تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا'' ہمارا جواب تھا: ''ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ہمارے آدمی کو جرمانہ ادا نہ کرنے پر جیل بھیج دیا تھا۔'' قائداعظم نے فرمایا: ''جب آپ کے ساتھی کو جرمانہ ہوا تو اس نے جرمانہ کیوں نہ ادا کیا۔ جب کہ آپ کی طرف سے جرم تو ثابت تھا۔'' جواب میں عرض کیا: ''ہم نے یہ بات نامناسب سمجھی کہ مسلم لیگی حکومت ہمیں جرمانہ کرے۔'' قائداعظم نے فرمایا:

''مجھے معلوم ہے کہ حکومت مسلم لیگ کی ہے۔ آپ بتائیں کہ جتنے آدمی ٹریفک قواعد کی

خلاف ورزی کرتے ہیں اُنہیں جرمانہ ہوتا ہے۔ وہ ادا کر کے چلے جاتے ہیں۔ کل میں ٹریفک کا سگنل توڑ دوں تو مجھے بھی جرمانہ ہو سکتا ہے۔ جمہوری اور مہذب معاشرے میں ایسے چھوٹے چھوٹے جرائم پر بھی جرمانے ادا کر دیے جاتے ہیں، بات کا بتنگڑ نہیں بنا لیا جاتا۔ اگر آپ نے قانون کا احترام بچپن میں نہ سیکھا تو کل جب آپ جوان ہوں گے اور آپ کو حکومت چلانا پڑے گی تو لوگوں سے قانون کا احترام کیسے کراؤ گے۔ یاد رکھو! قانون کو بہر حال فوقیت حاصل ہے۔ (سعید اے۔ ہارون)

7۔ ہم ایسی کتاب کھولیں گے جسکے کسی ورق پر بھی خیانت اور بد دیانتی کا داغ دھبہ نہ ہو

جنوری 1948ء میں کراچی میں ہندو مسلم گڑبڑ ہوئی جس کے نتیجے میں بعض ہندو مکانوں سے سامان لوٹا گیا۔ قائد اعظم نے حکومت سندھ کو حکم دیا کہ یہ ہنگامہ ہر قیمت پر ختم ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی انہوں نے فوج اور پولیس کو خانہ تلاشی کا آرڈر دیا۔ اتفاق سے اس ہنگامے کا مرکز میری رہائش گاہ جیکب لائنز کے قریب پارسی کالونی تھا۔ خانہ تلاشی میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مرکزی حکومت ہند کے جو سرکاری ملازم پاکستان آئے اور جیکب لائنز کے مکانوں میں قیام کیا۔ انہوں نے عام طور پر ہندوؤں سے ان کا سامان بازاروں میں نیلامی کے ذریعے خریدا۔ اس سامان پر ایسی نشانیاں موجود تھیں جن سے معلوم ہوتا کہ یہ سامان کس ہندو کا ہے۔ ایسا سامان خرید کرنے والے ملازمین بڑی مشکل سے دوچار ہوئے اور ان کا ایک جمِ غفیر حضرت شیخ الاسلام مولانا بشیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر جمع ہو گیا۔ اس وقت شیخ الاسلام مرحوم کی قیام گاہ بھی مرکزی قیام گاہ پر جمع ہو گیا۔ اس وقت شیخ الاسلام مرحوم کی قیام گاہ

بھی مرکزی حکومت کے ایک انجینئر کے پاس جیکب لائنز میں تھی۔

حضرت شیخ الاسلام نے قائداعظم کو ٹیلی فون کیا اور میرے ذمے لگایا کہ میں جا کر قائد کو یہاں کی مشکلات اور صورتِ حال سے آگاہ کروں۔

میں مقررہ وقت پر گورنر جنرل ہاؤس پہنچا۔ اے ڈی سی نے مجھے ایک بڑے کمرے میں جسے چھوٹا ہال کہنا مناسب رہے گا، پہنچا دیا۔ قائداعظم نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا میں یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں فائلوں کے بیسیوں بکس پڑے تھے جنہیں قائد دیکھ چکے تھے یا دیکھنے والے تھے اس سے مجھے ان کی غیر معمولی مصروفیت کا اندازا ہوا۔

میں نے قائداعظم سے کہا: قیامِ پاکستان سے قبل میرا قیام نئی دہلی میں تھا اور میں نے خود یہ دیکھا ہے کہ مرکزی حکومت اپنے ملازمین کے مفاد کا کتنا خیال رکھتی تھی۔ یہاں تک ڈپٹی کمشنر بھی مرکزی حکومت سے اجازت لیے بغیر کوئی کارروائی نہیں کرتا تھا۔ یہاں جس غیر محتاط طریقے سے مرکزی حکومت کے ملازمین کی خانہ تلاشی ہو رہی ہے وہ ان کے مقام اور وقار کے خلاف ہے۔''

میری بات سنتے ہی فرمایا: ''مرکزی حکومت کے ملازمین کا وقار تو اس وقت ہی خاک میں مل گیا تھا جب انہوں نے ہندوؤں کا سامان اُٹھا کر اپنے دفتروں کی بیرکوں میں رکھ لیا اور بھارتی ہائی کمشنر کے سٹاف نے ان کے فوٹو لے کر وہاں بھیج دیے۔ اب آگے فرمایئے آپ کیا چاہتے ہیں''۔

میں نے کہا: ''اگر ایسا ہوا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں نے خود ہی اپنا وقار مجروح کیا ہے۔ آپ کے حکم سے پولیس اور فوج جیکب لائنز میں رہنے والوں کی تلاشی لے رہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ لوٹ مار کرنے والوں کو سزا نہ دی جائے۔ لیکن ایک

بڑی تعداد ان سرکاری ملازمین کی بھی ہے جنہوں نے سامان ہندوؤں سے بازار میں خریدا اور اس پر نشانات ہیں تو اس تلاشی میں وہ بے قصور افراد بھی پکڑے جائیں گے اور یہ بڑی زیادتی ہوگی۔"

قائداعظم: "آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ آپ کی بات مانتے ہیں۔"

میں: "مجھے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر اس سلسلے میں کوئی بات لوگوں سے کہوں تو وہ ضرور مانیں گے۔

قائداعظم: "اچھا آپ جا کر لوگوں سے اپیل کریں کہ جنہوں نے جو سامان لوٹا ہے وہ سارے کا سارا گھروں میں سے باہر نکال دیں یا کسی جگہ جمع کر دیں۔ میں تلاشی روک دینے کا ابھی حکم دیتا ہوں۔ آپ قوم کو بتلائیے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم مظلوم ہیں ہندو قوم نے ہمارے لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہے اور ان کے گھر لوٹے ہیں۔ لیکن ہم ظلم کا جواب ظلم سے نہیں دینا چاہتے۔ یہ اسلامی ملک ہے، ہم ایسی کتاب کھولیں گے جس کے کسی ورق پر بھی خیانت اور بددیانتی کا داغ دھبہ نہ ہو۔"

جب قائداعظم مجھ سے یہ بات کہہ رہے تھے تو میرے ذہن میں قرآن کریم کی یہ آیت آ رہی تھی۔ فتح مکہ کے بعد جب پہلی مرتبہ اسلام اور مسلمانوں کو اقتدار ملا تو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت داروں کے حوالے کر دو اور جب فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے کرو۔"

میں نے قائداعظم سے وعدہ کیا اور انہوں نے مجھے خوشی سے رخصت کیا۔ جب میں جیکب لائنز پہنچا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تلاشی روک دینے اور فوج اور پولیس کی واپسی کے متعلق قائداعظم کا حکم پہنچ چکا تھا۔ میں نے اعلان کیا اور لوگ بڑی تعداد

میں جمع ہو گئے۔ چونکہ تلاشی رُک چکی تھی اسی لیے لوگ خاص طور پر میرے ممنون تھے۔ میں نے ان کے سامنے قائداعظم سے ملاقات کی تفصیل بیان کی اور کہا کہ قائداعظم نے میرے ذمہ لگایا ہے کہ لوگ خود ہی لوٹا ہوا مال باہر پھینک دیں تو آئندہ کوئی تلاشی نہیں ہوگی۔

اگلی صبح جیکب لائنز کی ہر بیرک کے باہر سامان پڑا تھا اور میدان میں سامان کا ایک بڑا انبار لگ گیا۔ میں نے کراچی کے ڈی۔سی سید ہاشم رضا کو فون کیا۔ انہوں نے پولیس کے بہت سے ٹرک بھیجے جو سامان اُٹھا کر لے گئے۔

یہ میری یادگار ملاقات ہے کیونکہ قائداعظم نے جو بات مجھ سے کہی ان کا مقصد یہ تھا کہ میری وساطت سے یہ قوم تک پہنچا دی جائے اور میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں ہ قیامِ پاکستان کا مقصد نہ عیش وعشرت ہے نہ ساز وسامان جمع کرنا اور نہ پکڑ دھکڑ کے ذریعے خوف کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اس کا مقصد صرف دیانت اور امانت ہے جس کے ذریعے اللہ اور انسانوں کے حقوق ادا کیے جائیں۔ (مولانا احتشام الحق تھانوی)

8۔ جمہوریت پسندی

1939ء میں، میں بمبئی مسلم لیگ کا جوائنٹ سیکرٹری ہو گیا۔ **1942**ء میں قائداعظم بیمار پڑ گئے۔ نواب بہادر یار جنگ حیدر آباد سے بمبئی اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ صوبائی مسلم لیگ کے دفتر سے اُنہوں نے قائداعظم کے ساتھ فون پر رابطہ پیدا کیا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ قائداعظم نے اُنہیں بتایا کہ ڈاکٹر نے اُنہیں ایک دو دن کے لیے ملاقات سے منع کر رکھا ہے۔ عثمان بھائی رحیم بھائی جو بمبئی کے معمولی بزنس مین تھے اور پرائمری مسلم لیگ وارڈ نمبر ۳ کے صدر بھی تھے۔ قائداعظم بھی اسی

پرائمری مسلم لیگ کے رکن تھے۔ نواب صاحب کو انکار رہا تو عثمان بھائی نے کہا:
''نواب صاحب! قائداعظم نے آپ کو تو وقت نہیں دیا، دیکھنا مجھے ملیں گے۔ میں ابھی فون کرتا ہوں اور وہ مجھے فوراً بلائیں گے بھی۔'' نواب صاحب عثمان بھائی سے متفق نہیں ہوئے کہ قائداعظم مجھ سے ملاقات نہیں کرتے آپ کو کیسے وقت دیں گے۔
عثمان بھائی رحیم بھائی نے فون ملایا اور کہا: ''عثمان بھائی رحیم بھائی سپاہی صدر پرائمری مسلم لیگ وارڈ نمبر ۳ بول رہا ہوں۔ میں پرائمری مسلم لیگ کے سلسلہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' قائداعظم نے کہا: ''فوراً آجاؤ۔''
قائداعظم کتنے جمہوریت پسند تھے کہ بیماری اور ڈاکٹر کی ہدایت کے باوجود اپنے صدر کو وقت دے دیا دراصل وہ اپنی پرائمری مسلم لیگ کے عہدایداروں کو اُن کو مقام دیتے چنانچہ جب کبھی اُنہیں بمبئی میں پرائمری مسلم لیگ کے جلسہ عام میں شرکت کا موقع ملتا تو وہ پرائمری مسلم لیگ کے صدر کو کرسی صدارت پر بٹھاتے۔ (حسن اے شیخ)

9۔میں قوم کو مروانے کے لیے تو لیڈری نہیں کر رہا۔

1942ء کا ذکر ہے کہ ایک روز کسی ہندو نے قائداعظم کو گالی دی۔ ہمیں پتہ چلا۔ ہم وہاں پہنچے تو پندرہ بیس کے مقابلے میں ہندوؤں کی تعداد پچاس کے قریب تھی۔ پھر بھی ہم نے اُن کی خوب پٹائی کی۔ مار کھانے کے بعد ہندوؤں نے محمد ہاشم گزدر کو اطلاع دی کہ اُن لڑکوں کی قیادت سعید ہارون کر رہا تھا۔ گزدر نے میرے بڑے بھائی یوسف ہارون کو فون کیا۔ بھائی جان نے بات قائداعظم تک پہنچا دی۔ قائداعظم نے ہمیں طلب کر لیا اور معاملے کی وضاحت چاہی۔ میں نے عرض کیا: ''ہندوؤں نے آپ کو

گالی دی۔ یہ ہم سے برداشت نہ ہوسکا۔'' قائداعظم فرمانے لگے: ''اُن کے گالی دینے سے میرا کیا نقصان ہوا۔ اُنہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اتنی چھوٹی باتوں پر اتنی بڑی تحریک کو بدنام مت کیجئے۔ کہیں دنیا یہ نہ کہے کہ مسلمان ایک جھگڑالو قوم ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا اثر لے لیتے ہیں۔ میری ایک بات ذہن میں رکھیں کہ آئندہ جب بھی اس قسم کا مرحلہ درپیش ہو تو اپنے رہنماؤں کے پاس آیا کریں اور ان سے پوچھے بغیر اپنے طور پر کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ اگر اس مار پیٹ کے دوران کوئی مسلمان لڑکا مر جاتا تو! میں قوم کو مروانے کے لیے لیڈری نہیں کر رہا'۔ قائداعظم انتہائی نرم لہجے میں یہ کچھ فرما رہے تھے اور ہم طلبہ نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ تھوڑا ہی عرصہ قبل ہم ہندوؤں کی پٹائی کے دوران کتنے نازاں تھے اور اب یہ صورت کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قائداعظم بے حد مصروف تھے لیکن انہوں نے ہمیں صحیح راہ دکھانے کی خاطر ہم پر بیس منٹ صرف کر دیے۔

(سعید اے ہارون)

10۔ انتظامیہ پر عدلیہ کی برتری

انگریز کے زمانے سے بلوچستان اے اور بی ایریا میں تقسیم چلا آ رہا تھا۔ شہری علاقہ اے اور علاقہ بی دیہی ایریا کہلاتا تھا۔ اے ایریا پورے بلوچستان کا دس فیصد سے زیادہ نہیں۔ وہاں ریگولر لاء نافذ ہے جبکہ بی ایریا میں جرگہ سسٹم ہے۔ پاکستان بنا تو بلوچستان میں ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل (اے جی جی) ایک انگریز مسٹر سیوتج تھا۔ انگریز کے زمانے میں تو اے جی جی وہاں کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا تھا۔ وہاں جو ریونیو کمشنر ہوتا اُسے جوڈیشل کمشنر کے اختیارات بھی حاصل ہوتے۔ اس طرح ہفتے

میں دو دن وہ ہائی کورٹ کے طور پر کام کرتا۔ ریونیو کمشنر اے جی جی کے ماتحت ہوتا اور اے جی جی براہ راست گورنر جنرل کے آگے جواب دہ تھا۔

1948ء کا واقعہ ہے قائداعظم کوئٹہ میں تشریف فرما تھے کہ فورٹ سنڈیمان سے کسی نے جوڈیشل کمشنر کو انتقال مقدمہ کی درخواست دی۔ اے جی جی بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہا تھا اُس نے جوڈیشل کمشنر اے آر خاں تھے۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔ دوسرے دن انہوں نے اے جی جی کو اظہارِ وجوہ کا نوٹس جاری کر دیا۔ اس پر عدالتی اُمور میں مداخلت کا الزام تھا۔ دو فرلانگ دور ریزیڈنسی تھا جہاں سے قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل تشریف فرما تھے۔ جوڈیشل کمشنر نے اس نوٹس کی ایک کاپی گورنر جنرل کو بھی بھیجی۔ تاریخ پیشی پر اے جی جی حاضر عدالت نہیں ہوئے تو جوڈیشل کمشنر نے اے جی جی کو پھر سمن بھیجے کہ وہ اگر اب مقررہ تاریخ پر پیش نہ ہوئے تو پھر اُس کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے جائیں گے۔ چونکہ اے جی جی کو انسپکٹر جنرل پولیس کے اختیارات بھی تھے۔ پولیس اُسے گرفتار نہیں کر سکتی تھی اس لیے جوڈیشل کمشنر نے اس نوٹس میں یہ بھی لکھا کہ یہ گرفتاری عدالت اپنے عملے کے ذریعے عمل میں لائی جائے گی۔ اس نوٹس کی کاپی گورنر جنرل کو بھیجی گئی۔ اے جی جی اس صورتِ حال میں قائداعظم سے ملا تو انہوں نے اُسے مشورہ دیا کہ جب آپ نے سمن تعمیل کر لیا ہے تو پھر عدالت میں پیش کیوں نہیں ہوتے۔ مقررہ تاریخ پر عدالت میں پہنچو اور غیر مشروط معافی نامہ پیش کر دو۔ اگر عدالت آپ کو معاف کر دے تو فبہا ورنہ تاریخ بھگتنے کے تیار رہنا۔

مقررہ تاریخ پر اے جی جی کو ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کوئی دو گھنٹے تک کھڑا رہنا پڑا۔ عدالت وکلاء سے کھچا کھچ بھری تھی۔ وہیں اُس نے قائداعظم سے

اپنی ملاقات کی روداد سنائی اور کہا کہ میں بلوچستان انتظامیہ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہر چھوٹی بڑی عدالت کا احترام کرتا ہوں۔ (عاصم ملک)

11۔میں بے ایمانی کے مقابلے میں ہار جانے کو ترجیح دوں گا

سندھ اسمبلی میں مسلمانوں کی 35 نشستیں تھیں۔قائداعظم نے لیگ کے اُمیدواروں کی مدد کے لیے سات ممبروں کی ایک انتخابی کمیٹی مقرر کی اور مجھے اُس کا اعزازی سیکر ٹری مقرر کیا۔یوسف اے ہارون کمیٹی کے چیئرمین تھے اور اس کے ممبروں میں سندھ یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر حسن علی عبدالرحمٰن اور ڈاکٹر اے ایچ صدیقی بھی شامل تھے۔قائداعظم نے راقم الحروف کو مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے لیے کثیر رقم دی اور کمیٹی کے ممبروں کو وضاحت سے بتایا کہ حصول پاکستان کی جدوجہد میں سندھ ایک اہم صوبہ ہے اور یہ کہ اس صوبے میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی 35 کی 35 نشستیں حاصل کرنی چاہئیں تاکہ یہاں لیگی وزارت بنائی جائے۔اس کے بعد وہ دوسرے صوبوں میں انتخابی سرگرمیوں کا معائنہ کرنے تشریف لے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ صحیح صورتِ حال بیان کرو۔جب اُنہوں نے یہ سنا کہ شاید ہم پانچ نشستیں نہ جیت سکیں تو ہو پریشان ہو گئے کیونکہ سندھ اسمبلی میں کل 60 نشستیں تھیں۔انہوں نے دریافت کیا کہ وہ پانچ نشستیں کون سی ہیں اور اُنہیں حاصل نہ کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہمارے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ رقم کی کمی ہے۔سندھ کے ہندوؤں کے ہاتھ میں موٹر ٹرانسپورٹ اور پٹرول اسٹیشن ہیں۔ جب تک ہم لیگ کے اُمیدواروں کے لیے پٹرول اور گاڑیاں مہیا نہ کریں گے اُن کی کامیابی غیر یقینی رہے

گی۔ قائداعظم نے فرمایا کہ تمہیں ارکتنی رقم درکار ہے اور میرے یہ کہنے پر کہ ہمیں ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جو روپیہ ہے وہ میرا ذاتی نہیں بلکہ مسلمانوں کی امانت ہے۔ میں نے تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ہر روپے پر ہمیں سولہ آنے فائدہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں سودے بازی نہیں کر رہا ہوں لیکن مزید پچاس ہزار روپے کی رقم لے لیجئے اور مجھے یہ یقین دلا دیجئے کہ ہم تمام یعنی 35 کی 35 نشستیں جیت لیں گے۔ میں نے قائداعظم کو یقین دلایا کہ ہم ہر ممکن کوشش کریں گے اور انشاءاللہ تمام نشستیں حاصل کر کے رہیں گے۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ ان پانچ نشستوں میں سے ایک نشست جی ایم سید کی ہے تو میری جانب دیکھنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اُن کی نگاہیں میرے دل میں اُترتی جا رہی ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا: ''یہ ایک انتہائی نازک انتخاب ہے۔ لیگ کو مسلمانوں کیتمام نشستیں جیتنی چاہئیں خاص طور سے سید کی نشست تو ہمیں بہر قیمت حاصل کرنی ہوگی؟'' میں نے وضاحت کی کہ جی ایم سید اپنے ضلع کے انتہائی بااثر شخص ہیں۔ وہ ضلع دادو کے پیر ہیں اور اُن کے مریدوں کا بہت بڑا حلقہ ہے۔ ہم نے اُن کے مقابلے پر حیدرآباد کے قاضی محمد اکبر کو کھڑا کیا ہے۔ جی ایم سید کے حامی اس سے فائدہ اُٹھا کر لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ قاضی محمد اکبر باہر کے آدمی ہیں۔ قائداعظم نے فرمایا: ''میں جی ایم سید کی نشست کو انتہائی اہم سمجھتا ہوں اور قاضی اکبر کو بہر طور یہ نشست حاصل کرنی ہے۔'' اُنہوں نے فرمایا کہ اس حلقے میں لٹریچر کی بارش کر دو۔ ورکروں کی فوج بھیج دو۔ جلسے کرو اور قاضی اکبر کو ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں ہر قسم کی امداد دو۔ قائداعظم نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر کراچی سے حیدرآباد منتقل کر دوں تا کہ جی ایم سید کے انتخابی حلقے سے قریب

رہ سکوں۔ اُنہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ کل ہند اہمیت کے چند لیڈر اور علی گڑھ سے طالب علم رضا کار بھیجیں گے۔ میں اُنہیں خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر آہی رہا تھا کہ اُنہوں نے مجھے دوبارہ طلب کیا اور اپنے قریب کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے فرمایا ''ایک بات یاد رکھیے۔ اگرچہ یہ انتخابات اہم ہیں تاہم انہیں جیتنے کے لیے نامناسب طریقے اختیار نہ کیے جائیں۔ مثال کے طور پر آپ کو جی ایم سید کے حلقے میں مسلم لیگ کے نمائندے قاضی اکبر کو بہر قیمت کامیاب کرانا ہے لیکن ووٹروں کو کسی قسم کی رشوت نہیں دی جائے گی۔ میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ ووٹ خریدنے کے لیے کسی ووٹر کو ایک روپیہ بھی دیا جائے۔ یہ بددیانتی اور بے ایمانی ہے۔ میں اس بے ایمانی کے مقابلے میں ہار جانے کو ترجیح دوں گا۔'' (جی الانا)

12۔غریب شخص کے چار آنے۔ متمول انسان کے دس ہزار روپے۔

قائداعظم بہت ہی محتاط طبیعت کے آدمی تھے اور عوام سے جو روپیہ اُنہیں وصول ہوتا تھا اُس کا حساب دینے میں نہایت پابندی برتتے تھے۔ جب بھی اُنہوں نے مسلم لیگ کی جانب سے یا مصیبت زدہ انسانوں کی امداد کے لیے روپیہ کی درخواست کی، برعظیم میں اُن کی ہم مذہبوں کی طرف سے اس کا جواب بڑے حوصلہ افزا طریقے پر ملا۔ بڑے چھوٹے چیک اور سب طرح کی رقموں کے منی آرڈر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ ہر روز ڈاکیا اُن کے سیکرٹری کو وہ رقمیں لا کر دیتا تھا جو وہ ادا کرنے آتا تھا اور روپے کے ساتھ اُنہیں بہت سی رسید کی پرچیاں بھی دستخط کے لیے پیش کرتا تھا۔ اس کا مشکل سے یقین آئے گا کہ قائداعظم کو جو واقعی ایک نہایت مصروف آدمی تھے اتنا وقت مل جاتا تھا

کہ وہ ہر رسید پر بذاتِ خود دستخط کریں۔ اس کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ رسید دس ہزار کی رقم کے لیے تھی یا صرف چار آنے کی۔ اُنہیں ایک روپیہ سے کم کی ہزاروں رقمیں وصول ہوں گی جنکی رسید اُنہوں نے خود لکھی۔ جب اُن سے یہ کہا گیا کہ یہ کام وہ کسی اور کے ذمے کر دیں روانہوں نے جواب دیا: ''ہرگز نہیں، رسیدوں پر مجھے دستخط کرنے چاہئیں۔ اُس غریب شخص کے لیے جو مجھے چار آنے بھیجتا ہے یہ رقم ایسی ہی ہوگی جیسے کہ کسی متمول انسان کے لیے دس ہزار۔ میری نظر میں اس کی طار آنے کے عطیے کی ابھی اُتنی ہی قیمت ہے جتنی کہ دس ہزار بلکہ بیس ہزار عطیے کی۔ اُس غریب آدمی کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اُس کی مدد کرتا ہوں اور اُس کے عطیے کو قیمتی سمجھتا ہوں علاوہ ازیں جب میں کسی رسید پر دستخط کرتا ہوں تو مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے پیشِ نظر مقصد کے لیے ہمیں ایک اور خیر خواہ مل گیا ہے۔ اس مسرت سے بڑھ کر مجھے اپنی قوم سے اور کون سا انعام مل سکتا ہے؟ بہرصورت چند سو رسیدوں پر دستکظ کرنے سے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ عوام کی امداد و تائید سے لیگ کی اور میری قوت میں اضافہ ہوگا اور اپنی جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لیے ہمیں اسی قوت کی ضرورت ہے۔''

(ایم اے ایچ اصفہانی)

13۔ کیا تم بھیڑوں کا گلہ ہو جو میں ایک گلے کا تبادلہ دُوسرے گلے سے کر لوں

ایک روز میں قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حیدرآباد سے آئی ہوئی حالیہ خبروں اور حالات سے اُن کو آگاہ کیا۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اُن میں سے بیشتر واقعات اور باتوں کا اُنہیں پہلے سے علم تھا۔ اُنہوں نے گفتگو کے دوران میں

دفعتہً میری طرف مڑ کر کہا: ''بعض لوگ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ میں حیدرآباد کا کشمیر سے تبادلہ کرلوں۔ تمہاری اس تبادلے کے بارے میں کیا رائے ہے؟''۔

ظاہر ہے اس سوال کا جواب میرے لیے فی البدیہ دینا آسان نہ تھا اور جواب بھی ایسا ہو جس سے ہمارے آزادی کے دعوے پر زد نہ پڑے اور اظہار رائے میں وہ آداب بھی محلوظ رہیں جو ایک سربراہ مملکت کے لیے لازم ہیں۔ میں نے جواب دینے میں ذرا سا توقف کیا۔ اتنے میں قائداعظم نے سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت میری طرف اُٹھا کر خود ہی جواب دے دیا:

''کیا تم بھیڑوں کا گلہ جو میں ایک گلے کا تبادلہ دوسرے گلے سے کرلوں۔ یہ بتانا تمہارا کام ہے کہ تم اس قسم کا تبادلہ چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر تم نہیں چاہتے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجبور نہیں کرسکتی۔ میں تمہیں مجبور تو کیا دوستانہ ترغیب دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔'' پھر ذرا سے توقف کے بعد کہا: ''میں جانتا ہوں اس سوال کا جواب تم اپنی حکومت سے مشورہ کیے بغیر نہیں دے سکتے اور نہ دینا چاہیے۔'' (مشتاق احمد خاں)

14۔ میں اپنی ذات کی خاطر اس عظیم منصب کی عظمت کو خاک میں نہیں ملا سکتا

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب قائداعظم علیل تھے اور کوئٹہ میں زیرِ علاج۔ جب ہم نے محسوس کیا کہ کوئٹہ میں اُن کا قیام خطرے سے خالی نہیں تو میں نے اصرار کیا کہ وہ کراچی تشریف لے چلیں۔ لیکن ہر بار اُنہوں نے اس تجویز کو رد کردیا۔ رات کو میں نے محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی۔ میرے اصرار پر اُنہوں نے بتایا: ''قائداعظم بیماری کی حالت میں گورنر جنرل ہاؤس میں واپس نہیں جانا

چاہتے۔" پھر انہوں نے ملیر کے بارے میں میری رائے پوچھی۔ میں نے عرض کیا:
"وہ بھی اچھی جگہ ہے لیکن وہاں قیام کا مسئلہ ہوگا۔"
ملیر میں نواب بہاول پور کی کوٹھی تھی جس میں قائداعظم کے قیام کا اہتمام ہوسکتا تھا۔ اُن دنوں ولی عہد صاحب اُس میں فروکش تھے تاہم اُن سے کوٹھی خالی کرانا چنداں مشکل نہ تھا۔ طے یہ پایا کہ پہلے قائداعظم کو رضا مند کرلیا جائے، پھر ولی عہد کے ساتھ نامہ و پیام ہوگا۔
اگلی صبح میں نے ملیر کا نام لیا تو قائداعظم نے رضامندی ظاہر کردی۔ چنانچہ اسی وقت کراچی کے جی اوسی میجر جنرل اکبر خاں کو فون پر اطلاع دی کہ وہ بہاول پور ہاؤس میں قائداعظم کے قیام کا اہتمام کریں۔ اسی شام انہوں نے خبر دی کہ ولی عہد صاحب کوٹھی خالی کرنے کو تیار ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ نواب صاحب سے بھی اجازت لے لی جائے کیونکہ وہ 30 ستمبر کو لندن سے کراچی آرہے ہیں۔
28 اگست کی صبح میں نے قائداعظم کی خدمت میں تمام صورتِ حال رکھی اور امیر بہاول پور کو تار ارسال کرنی کی اجازت چاہی۔ میری بات سن کر انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور قدرے توقف کے بعد فرمایا:
"آپ نے سنا ہوگا پہلے زمانے میں جب کوئی وکیل ہائی کورٹ کا جج بن جاتا تو کلبوں اور نجی محفلوں میں جانا ترک کردیتا تھا مبادا اس کی غیر جانبداری پر اثر پڑے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے گورنر جنرل کے اعلیٰ منصب کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ درست ہے کہ اس وقت ہم ضرورت مند ہیں لیکن میں اپنی ذات کی خاطر اس عظیم منصب کی عظمت کو خاک میں نہیں ملاسکتا۔ اس لیے تار دینے کی اجازت دینے سے معذور ہوں۔"

(ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش)

15۔دستور کی پابندی

جناح مسلمانوں کے متفقہ لیڈر رہتے اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے انہیں وسیع اختیارات حاصل تھے۔ پھر بھی وہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کرتے تھے اور جبھی دستوری طور پر ضروری ہوتا پہلے مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ یا کونسل کی منظوری لینے پر اصرار کرتے ماؤنٹ بیٹن اور دوسرے لوگ اس پر بے حد جھلاتے اور پیچ وتاب کھاتے تھے۔ان کے خیال میں یہ ضرورت سے بڑھ کر دستور کی پابندی تھی۔انہیں شبہ تھا کہ اس طرح جناح مہلت حاصل کرنے یا پابندی قبول نہ کرنے کی گہری چال چلتے تھے درحقیقت یہ عمل اخلاص پرمبنی ہوتا تھا۔جناح کا اعتقاد تھا کہ انسان دستوری طور پر عطا کردہ اختیارات کے حدود میں رہ کر ہی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔

(چوہدری محمد علی)

16۔گورنر جنرل بھی ، انسان بھی

31 مارچ **1948**ء کا دن مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کیونکہ اس دن میں نے قائداعظم سے آخری بار ملاقات کی۔ یہ ملاقات سرکاری تھی اور انہوں نے مجھے خود طلب فرمایا تھا۔ ہوا یوں کہ وزارتِ مالیات نے ایک معاملے میں اپنی تجویز پیش کی اور کابینہ سے اسے منظور کیا۔مگر چونکہ گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر احکام جاری نہیں ہوسکتے تھے اس لیے کاغذات کا قائداعظم کی خدمت میں پیش کرنا ضروری تھا۔ یہ **31** مارچ کا واقعہ ہے۔احکام اسی روز ہونے تھے، نہ پہلے نہ بعد۔حکم ہوا کہ گورنر جنرل کی منظوری حاصل کروں۔ میں نے قاعدے کے مطابق فوراً ایک چٹھی پرائیویٹ سیکرٹری صاحب

کو لکھی اور کاغذات متعلقہ اس سے منسلک کر کے بھیج دیے۔ انہوں نے کاغذات دیکھنے کے بعد دو ایک باتوں کے متعلق پوچھا اور میں نے وضاحت کر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ کاغذات قائداعظم کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں گے اور ان کے احکام سے مجھے فوراً اطلاع دی جائے گی۔ میں دفتر کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مشکل سے کوئی آدھ یا پون گھنٹہ ہوا ہو گا کہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا ٹیلی فون آیا۔ میں نے کہا خیر تو ہے۔ کہنے لگے بالکل نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ کاغذات قائداعظم کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے۔ انہوں نے کچھ سوالات پوچھے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے میرے خط کی بنا پر ان کا جواب دیا۔ قائداعظم اس سے مطمئن نہیں ہوئے اور قدرے سختی سے فرمایا کہ جوابات اٹکل پچو معلوم ہوتے ہیں۔ جس نے یہ خط لکھا ہے اسے بلاؤ تاکہ میں خود اس سے گفتگو کروں۔ غرض کہ معاملہ اس نازک مرحلے پر تھا اور میری طلبی ہو رہی تھی۔ میں نے کچھ کاغذات مع اپنے ہوش و حواس کے مجتمع کیے اور گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ باریابی میں دیر نہیں لگی۔

قائداعظم اوپر کی منزل کے ایک کمرے میں کام کر رہے تھے۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب مجھے وہاں لے گئے۔ اندر جانے کی اجازت مانگی۔ قائداعظم نے آنکھ اُٹھائے بغیر ایک خشک لہجے میں کہا: ''آجاؤ''۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھے سرکاری کاغذات کا مطالعہ فرمارہے تھے۔ مجھے سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فوراً ہی کہا ''میں نے تمہارے بھیجے ہوئے کاغذات دیکھے، ان میں کچھ باتیں واضح نہیں ہیں اور جب تک ان کی وضاحت نہ ہو میں اس تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتا''۔

یہ ایک اخاصی ڈانٹ تھی۔ میں نے عرض کیا: ''جناب، میں حسبِ حکم حاضرِ خدمت

ہوں اور مجھے امید ہے کہ جو کچھ آپ دریافت فرمائیں گے میں اس کا جواب دے سکوں گا۔'' اس کے بعد قائداعظم نے سوال پوچھنے شروع کیے اور اول سے آخر تک ایک ایک چیز کی وضاحت چاہی۔ وہ مالیات کے ماہر نہیں تھے مگر میں نے حیرت سے دیکھا کہ اس مضمون پر ان کی گرفت کسی صورت کمزور نہیں تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ میرا امتحان لے رہے ہیں۔ ایک آدھ سوال کے جواب میں وہ بگڑ بھی گئے اور جب تک میں نے قانون متعلقہ اور محکمے کے سابق احکامات کی رو سے ان کی تسلی نہیں کر دی انہوں نے مجھے ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا۔ قانونی نکات پر انہوں نے خاص طور پر کڑی بحث کی۔ میں ان کے سوالوں کا جواب تو دیتا گیا مگر ان کی پیشانی کے بل دُور نہ ہوئے اور مجھے برابر یہ خوف دامن گیر رہا کہ خدا جانے وہ آئندہ کیا سوال پوچھیں گے اور میرے جواب سے مطمئن ہوں گے یا نہیں۔

سوال و جواب میں آدھ پون گھنٹہ گزر گیا اور میں نے دیکھا کہ قائداعظم کے سوالات اختتام پر ہیں۔ یہاں پہنچ کر میں نے کچھ اور متعلقہ اطلاعات بھی ان کی خدمت میں پیش کرنا شروع کیں جن کے متعلق انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ مگر انہوں نے کچھ اور سنے بغیر اپنا قلم اُٹھایا، متعلقہ کاغذ پر دستخط فرما دیے اور اسے میری طرف بڑھا دیا۔

ادھر کاغذ پر دستخط ہوئے اور ادھر ان کا رنگ بدل گیا۔ چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اب میرے سامنے پاکستان کے گورنر جنرل نہیں بلکہ مسلمانوں کے قائداعظم تشریف فرما تھے اور اپنی قوم کے ایک ادنیٰ فرد کو اپنے پاس دیکھ کر اس سے ایک ناقابلِ فراموش مشفقانہ انداز سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے میرا حال پوچھا، لندن کے سفر کا تذکرہ بھی کیا اور اِدھر اُدھر کی کچھ اور باتیں کیں۔

اُنہیں دوپہر کے کھانے میں دیر ہو رہی تھی۔ میں نے رخصت ہونے کی اجازت مانگی۔ اُنہوں نے مسکرا کر میری طرف ہاتھ بڑھایا اور میں اُن سے مصافحہ کر کے مسکراہٹ کا نقش دل میں لیے چلا آیا۔ (ممتاز حسن)

17۔ اپنا اپنا کام

قائداعظم نہ صرف یہ کہ خود سخت محنتی تھے بلکہ وہ اپنے عملے سے بھی خوب کام لیتے تھے۔ دس ماہ کے دوران مختلف وجوہ کی بناء پر انہوں نے ایک ملٹری سیکرٹری، چار اے ڈی سی اور ایک پرائیویٹ سیکرٹری بدلا۔ وہاں غلطی کا بہت کم امکان ہوتا۔ وہ پروٹوکول پر بہت کڑی نگاہ رکھتے۔ ایک موقع پر وہ گارڈ آف آنر کا معائنہ کرنے جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک سینئر فوجی افسر کا ہاتھ اپنے بازو پر سے محض اس لیے جھٹک دیا کہ وہ ڈائس پر سے اُترنے میں اُن کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ (این اے حسین)

18۔ دکاندار کی تربیت

کوئٹہ کا ہی ایک اور واقعہ میں سناتا ہوں جس آپ سے کو پتہ چلے گا کہ وہ قومی معاملات میں اس قدر مصروف رہنے کے باوجود زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ پر کس قدر گہری نظر رکھتے تھے اور اُن کی ہر بات میں قوم کے لیے تربیت اور درس کا پہلو ہوتا۔

ایک روز انہوں نے مجھے جرابیں خرید لانے کو کہا۔ میں جناح روڈ پر ایک بڑی دکان حاجی اینڈ سنز سے ساڑھے سات روپے میں ولز کی جرابیں خرید لایا۔ ان کا رنگ گرے تھا۔ ان پر لیبل بھی لگا ہوا تھا۔ جرابیں لا کر میں نے ان کے پٹھان ملازم کو دے دیں۔ قائداعظم کی عادت تھی کہ نیا کپڑا استعمال کرنے سے پہلے دھلوا لیتے۔ وہاں ڈیوٹی کا حساب اس طرح تھا کہ ایک دن مظہر کی ڈیوٹی قائداعظم کے ساتھ ہوتی اور میری محترمہ

فاطمہ جناح کے ساتھ ہوتی۔ دوسرے دن میں قائداعظم کے ساتھ ہوتا اور مظہر احمد محترمہ کے ساتھ ہوتے۔ جرابیں خریدنے کے اگلے روز میری ڈیوٹی محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ تھی لیکن قائداعظم نے مجھے بُلا بھیجا۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہو پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ پاس کرسی پر محترمہ فاطمہ جناح تشریف فرما تھیں۔ میں آداب بجالایا۔ وہ حسبِ معمول مسکرائے اور سر کی جنبش سے مجھے خوش آمدید کہا۔

''یہ جرابیں آپ کی خریدی ہیں؟''۔ ''جی ہاں''

'دکان دار نے آپ سے نئی جرابوں کے پیسے وصول کیے؟''

''جی ہاں، قائداعظم! اس نے مجھ سے ساڑھے سات روپے وصول کیے۔''

لیکن یہ جرابیں تو پرانی ہیں۔ اس لیے آپ یہ دکاندار کو واپس کر دیں اور اسے بتائیں کہ اس نے نئی جرابوں کے پیسے وصول کر کے آپ کو پرانی جرابیں دی ہیں۔''

میں دکان دار کے پاس گیا تو مالک دکان جو حاجی صاحب کے نام سے پکارے جاتے تھے، بہت پریشان ہوئے کہ اُن کی دکان سے ایسی چیز کیوں گئی۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ جرابیں قائداعظم کے لیے ہیں ورنہ وہ پیسے ہی وصول نہ کرتے۔ قائداعظم کبھی مفت چیز نہ لیتے تھے اس لیے میں نے انہیں بتایا ہی نہیں تھا۔ تاہم اُنہوں نے نئی جرابیں دے دیں جو میں نے واپس آ کر ملازم کو دے دیں تو اس نے مجھے بتایا کہ قائداعظم نے جرابیں پہننے سے پہلے انہیں روشنی کے بالمقابل کر کے دیکھا تو ایک جراب میں سے دھاگہ نکلا ہوا تھا جس کی وجہ سے ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔ اگلے روز میری ڈیوٹی تھی میں سمجھا کہ قائداعظم کو کل کا واقعہ بھول گیا ہوگا۔ لیکن انہوں نے مجھ سے پوچھا:

''دکان دار نے جرابیں تبدیل کر دی تھی یا آپ نئی خرید لائے تھے۔''

''سر! اُس نے جرابیں بدل دی تھیں''۔ ''میں دکان دار کو سبق سکھانا چاہتا تھا''۔
قائداعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ (این اے حسین)

19۔قائداعظم کا تحفہ

میرے پاس قائداعظم کی کوئی قیمتی چیز مثلاً چاندی کا سگریٹ کیس اور نہ ہی سونا چڑھا ہوا سونیئر ہے جو عموماً سربراہِ مملکت اپنے عملے کو دیتے ہیں۔میرے لیے جو چیز باعثِ فخر ہے وہ قائداعظم کے وہ دستخط ہیں جو انہوں نے سادے کاغذ کی ایک چٹ پر فرمائے تھے۔اس چٹ کے ذریعے انہوں نے گورنر جنرل ہاؤس کے ہاؤس ہولڈ سے کریون اے کے پچاس سگریٹوں والا ڈبہ طلب کیا تھا۔وہ چاہتے تھے کہ قومی روپے کا حساب سربراہِ مملکت بھی رکھے۔ یہ بات دراصل ٹیکس دہندگان کے روپے کے استعمال پر مکمل جواب دہی کا احساس پیدا کرتی ہے جو ان پر ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے عائد ہوتا تھا وہ مملکت جس کے وہ خود بانی تھے۔ (این اے حسین)

20۔صرف خدائے بزرگ و برتر کے آگے جھکنا چاہیے

وہ خوشامد اور چاپلوسی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب قائداعظم پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانفرنس سے فارغ ہو کر ہوٹل نیڈوز پہنچے تو ہمارے دوست خواجہ اشرف احمد نے جوشِ عقیدت میں اُن کے پاؤں چھونا چاہے تو انہوں نے فرمایا ''صرف خدائے بزرگ و برتر کے آگے جھکنا چاہیے، اسلام اسی کی تلقین کرتا ہے''۔ (جسٹس ذکی الدین پال)

21۔ہم انشاء اللہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے

چلے جائیں گے

قائداعظم سے ملاقات کا شرف تو مجھے ایک ہی بار حاصل ہوا۔ یہ 1942ء کی بات ہے۔ ایم اے کا امتحان دینے کے بعد چند ہفتوں کے لیے بمبئی کے سیر کا پروگرام بنا تھا ایک شام مالا بار ہل سے گزرتے ہوئے ماؤنٹ لیزنٹ روڈ پر بنگلہ نظر آیا۔ بنگلے کے گرد سائن بورڈ M.A Jinnah اس بطلِ جلیل کی اقامت گاہ کا اعلان کر رہا تھا۔ بنگلے کے گرد نفاست سے کٹی ہوئی نیچی باڑ تھی۔ مخملیں گھاس کے دھیمے نشیب و فراز میں قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح ٹہل رہے تھے۔ بس وہ دیدار ہی اگلی صبح ملاقات کا متحرک ہوا۔ خدا بھلا کرے پرائیویٹ سیکرٹری کا جس کی وساطت سے شرفِ باریابی حاصل ہوا۔

میں نے وقت لیے بغیر در آنے کی معذرت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ طلبہ اور نوجوانوں کے لیے ان کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں۔ میں ان کی عظیم موجودگی کو ریشم کی طرح نرم، نہیں کہہ سکتا نہ 'نرم دم گفتگو' کی تمثال صادق آتی ہے کیونکہ کانگریس سے موازنہ کرتے وقت ان کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور آواز میں تلوار کی کاٹ۔ میرے سوال کے جواب میں کہہ آیا انہیں صوبہ پنجاب کے قائدین کی دوغلی پالیسی کا علم ہے جو بیک وقت یونینسٹ اور مسلم لیگی بنتے ہیں انہوں نے باکمال شفقت فرمایا تھا:

''تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ان معاملات کے متعلق مجھے پوری پوری آگہی ہے، ہندوستان کے ہر حصے سے میرے پاس خطوط آتے ہیں جنہیں میں ضلع وار فائنل کر کے سامنے دھرے ہوئے اسٹیل کے خانوں میں محفوظ کر لیتا ہوں۔'' لیگ کی روز افزوں ترقی کا ذکر آیا تو انہوں نے شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے ذرا زور سے کہا: ''تم

نے دیکھا بی بی سی اور انٹرنیشنل ریڈیو جب کانگریس کا تذکرہ کرتے ہیں تو انہیں آل انڈیا مسلم لیگ کا نام لیے بغیر بن نہیں پڑتی۔ ہم ان شاء اللہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جائیں گے"۔ (منظور الٰہی)

22۔صرف باری تعالی کی ذات کے آگے جھکا جاتاھے

18 نومبر 1942ء کو پنجاب پروانشل مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کے لیے قائد اعظم لائل پور تشریف لائے تو ریلوے سٹیشن پر استقبال کے لیے سارا شہر اُمڈ آیا۔ اُن دنوں لائل پور میں خواجہ عبدالرحیم ڈپٹی کمشنر تھے۔ پروگرام کے مطابق قائداعظم نے ریلوے سٹیشن سے ہماری رہائش گاہ کمالیہ ہاؤس جانا تھا۔ وہیں اُن کا قیام تھا۔ قائد اعظم جہاں بھی جاتے وہاں کی مقامی مسلم لیگ ان کے لیے حفاظتی گارڈز کا انتظام کرتی۔ لائل پور کے دورے پر میرا کزن محمد سرفراز خاں، بیٹا انور حسین خاں قائداعظم کے محافظ دستے کے طور پر متعین ہوئے۔ ہمارے خاندان میں رواج چلا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی بزرگ باہر سے تشریف لائیں یا کسی نوجوان نے باہر جانا ہو تو وہ بزرگ کے پاؤں چھوتا ہے۔ قائداعظم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے لائل پور کی سرزمین کو نوازا میرے بیٹے اور کزن دونوں نے اُن کے پاؤں چھونا چاہے۔ قائد نے اُنہیں روکتے ہوئے کہا: "صرف باری تعالی کی ذات کے آگے جھکا جاتا ہے۔"

(نواب غلام علی خاں)

23۔ میں آخر میں آیا ھوں اس لیے یھیں بیٹھوں گا

3 مارچ کو قائد نے ریلوے سٹیشن کے سامنے آسٹریلیا مسجد میں نماز عصر ادا کرنا تھی۔ جب تشریف لائے تو مرزا عبدالحمید تقریر کر رہے تھے۔ مسجد کھچا کھچ بھری تھی۔ قائد موٹر کار میں سے برآمد ہوئے تو انہوں نے اچکن، چوڑی دار پاجامہ اور بٹلر شوز پہن رکھے تھے۔ اُن کی آمد پر لوگوں میں ہلچل پیدا ہوئی لیکن وہ فوراً سنبھل گئے کہ قائداعظم نظم و ضبط کے انسان تھے۔ وہ مسجد کے بغلی دروازے میں سے داخل ہوئے۔ اگلی صف تک راستہ بن گیا۔ قائد نے یہ کہتے ہوئے اگلی صف پر جانے سے انکار کر دیا: ''میں آخر میں آیا ہوں اس لیے یہیں بیٹھوں گا۔'' سیاست میں آگے جانے والا خانہ خدا میں سب سے پیچھے بیٹھا ضیاء الاسلام قائد کے بائیں جانب تھے۔ نماز سے فارغ ہونے پر قائد نے جو کام فوراً کیا وہ یہ کہ اپنے جوتے اُٹھا لیے۔ ہر کسی کی خواہش تھی کہ وہ قائد کے جوتے اُٹھانے کی سعادت حاصل کرے۔ لیکن ہر کسی کو حسرت ہی رہی۔ لوگ بعد میں اُن کے ہاتھ سے جوتا چھیننے کی کوشش ہی کرتے رہے لیکن قائد کی گرفت آہنی تھی۔ وہ ہجوم میں اپنی ریشمی جرابوں سمیت کوئی تیس قدم تک بغیر جوتوں کے چلے۔ اصرار اور کوشش کے باوجود کسی شخص کو اپنا جوتا نہیں پکڑایا۔ (خواجہ اشرف احمد)

24۔ میں خیانت کیسے کروں۔

میرے والد آگرہ میں جج تھے۔ اُنہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ قائداعظم کسی کیس کے سلسلے میں آگرہ تشریف لائے۔ مسلم لیگ نے جلسہ کرنا چاہا۔ قائداعظم نے اس بنا پر شرکت سے انکار کر دیا:

''میں اپنے مؤکل کی طرف سے پیش ہونے آیا ہوں جس کی وہ فیس ادا کر رہا ہے۔ میں خیانت کیسے کروں۔ آپ جلسہ کرنا چاہتے ہیں تو بعد میں بلا لیں، میں اپنے خرچ پر

آؤں گا"۔ (مختار ضمن)

25۔نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلیم شیعہ تھے یا سنی ؟

میں نے ایک بار قائداعظم سے پوچھا: "آپ شیعہ ہیں یا سنی؟"

توانہوں نے فوراً جوابی سوال کیا: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیعہ تھے یا سنی؟" اس پر میں چپ ہو کر رہ گیا۔ (حنیف منیار)

26۔میں کسی اعزاز کا سخت مخالف ہوں

قائداعظم کسی اعزاز کے کبھی خواہاں نہیں رہے۔اس سلسلہ میں ایک واقعہ قابلِ ذکر رہے۔1942ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کورٹ (سینٹ) نے قائد کو ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا۔ڈاکٹر ضیاء الدین نے جو یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔قائداعظم کو ایک خط کے ذریعے اس فیصلے کی اطلاع دی۔قائداعظم نے کا کوئی جواب نہیں دیا۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وائس چانسلر نے دوبارہ خط لکھا اور قائداعظم سے درخواست کی کہ وہ یونیورٹی کے خصوصی کانوکیشن کے لیے اپنی سہولت کی کوئی تاریخ بتا دیں۔قائداعظم نے اس کا جو جواب دیا وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔وہ خط یہ ہے:

ڈیئر ڈاکٹر سر ضیاء الدین!

مجھے آپ کا 30 ستمبر کا خط مل گیا ہے اور میں مسلم یونیورسٹی کی کورٹ کا ممنون ہوں کہ اس نے مجھے ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری مرحمت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔اگرچہ میں اس جذبے کی قدر کرتا ہوں جس کے تحت کورٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔میرا موقف

یہ ہے کہ میں اب تک سیدھے سادے مسٹر جناح کے نام سے زندہ رہا ہوں اور اسی طرح مرنا چاہتا ہوں میں کسی خطاب یا اعزاز کا سخت مخالف ہوں اور میں اس پر بڑا خوش ہوں کہ میرے نام کے ساتھ کچھ اور نہ لگا ہو۔ مجھے امید ہے کہ میرے جذبات کا پاس کرتے ہوئے کورٹ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے گی حالانکہ مجھے اس کا پوری طرح احساس ہے کہ کسی شخص کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا جو مسلم یونیورسٹی کی کورٹ نے مجھے عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

(سید شمس الحسن)

27۔ کوئی شخص ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکا

بمبئی میں سمندر کے ایک حصے میں مٹی ڈال کر اُسے رہائشی علاقے میں تبدیل کیا گیا۔ اُس وقت بمبئی کے چیف انجینئر مسٹر ہاروے اور گورنر لارڈ بارن تھے۔ چیف انجینئر کے خلاف پیسے کھانے کا الزام لگا۔ اس سلسلے میں ایک پارسی ایڈووکیٹ نریمان نے اخبار میں مضمون بھی لکھا۔ قائداعظم بمبئی لجسٹیو اسمبلی کے ممبر تھے۔ اُنہوں نے حکومت کی اس نااہلی کا پردہ چاک کرنے کے لیے اس امر کا ریزولوشن ایجنڈے میں دیا۔ لارڈ برے بارن مسٹر ہاروے کا دوست تھا۔ اس لیے اس نے کوشش کی کہ ایجنڈے میں ریزولوشن نہ رہے۔ پہلے تو اُس نے قائداعظم کو پیغام بھیجا کہ ہم کارروائی کریں گے اس لیے آپ یہ ریزولوشن واپس لے لیں۔ قائداعظم نے انکار کر دیا۔

بمبئی میں ایک مسلمان سر سلیمان قاسم تھے۔ بمبئی کے پٹھان اُن کے قبضے میں تھے۔ وہ

حکم دیں تو پٹھان کسی کو ہلاک کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔ وہ ایک طرح سے اُنہیں اپنا سردار مانتے تھے۔ اس لحاظ سے سلیمان قاسم کا بمبئی میں بڑا رعب تھا۔ ان کے گورنر بمبئی سے بھی تعلقات تھے۔ گورنر نے سلیمان قاسم کے ذریعے قائداعظم کو کہلوا بھیجا کہ وہ ریزولوشن خود بخود ختم ہو جائے گا۔ سلیمان قاسم نے قائداعظم سے یہ بات کی۔ قاسم کا کہا آرڈر سمجھا جاتا تھا کیونکہ اُس کی دہشت یہ تھی کہ چاہے تو پٹھانوں سے آدمی غائب کرا دے۔ قائداعظم نے اُسے بھی صاف انکار کر دیا۔

لوگوں میں یہ بات عام ہوگئی کہ سلیمان قاسم ضرور کام دکھائے گا۔ قائداعظم مقررہ دن اسمبلی اجلاس میں شریک ہوئے۔ ریزولوشن پاس ہوا۔ کوئی شخص اُن کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ (عبدالقادر لاکھانی)

28۔ وہ قومی روپے کو ایک امانت سمجھتے

ملٹری سیکرٹری اور تینوں اے ڈی سی کو یہ رعایت حاصل تھی کہ وہ جنرل ہاؤس کے کنٹرولر آف ہاؤس ہولڈ سے ضرورت کی اشیاء خرید سکتے تھے۔ ایک دفعہ ایک اے ڈی سی نے ہاؤس ہولڈ سے کوئی چیز ضرورت سے زیادہ خرید لی۔ قائداعظم نے اُسے ملازمت سے فارغ کر دیا۔ خود اُن کا اپنا یہ عالم تھا کہ جو چیز بھی ہاؤس ہولڈ سے خریدنا ہوتی، اُس کے لیے وہ میسوں یا کلبوں کی طرح چٹ جاری کرتے، خواہ چیز کریون کا ڈبہ ہی کیوں نہ ہو جو ڈیڑھ دو روپے میں دستیاب تھا۔ بات دراصل روپے کی نہیں، اُصول کی تھی۔ چونکہ وہ کسی شے کے ضیاء اور ضرورت سے زیادہ خریداری کو پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے وہ مکمل جوابدہی کی خاطر ایسا کرتے۔

ہر ماہ کے آخر میں ملٹری سیکرٹری سارے اکاؤنٹس اُن کی خدمت میں لے جاتا جسے وہ

خود پڑتال کرتے۔ وہ قومی روپے کو ایک مقدس امانت سمجھتے اور اُسے ایک امانت دار کے طور پر احتیاط سے خرچ کرتے۔ (این اے حسین)

29۔قانون کو اپنے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔

کوئٹہ میں کئی واقعات رونما ہوئے۔ایک واقعہ میں آج تک نہیں بھول سکا۔قائداعظم وہاں ریزیڈنسی میں ٹھہرے ہوئے تھے جو ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل مسٹر سی ۔اے۔ سیوتج نے اُن کے لیے خالی کر دی تھی ۔ بلوچستان میں جوڈیشنل کمشنر جسے انتظامی اختیارات بھی تھے، وہ انتظامی معاملات میں نمبر 2 تھا۔اُن دنوں اے ۔آر خاں جوڈیشنل کمشنر تھے۔اے۔جی توہین عدالت کا مرتکب ہوا۔جوڈیشنل کمشنر نے اُسے نوٹس بھیجا کہ وہ معافی مانگے نہیں تو اس پر توہین عدالت کے الزام میں مقدمہ چلے گا۔ مسٹر سوتج عجیب وغریب صورت حال میں پڑ گیا۔وہ انتظامیہ کا سربراہ اور قائداعظم کا میزبان بھی تھا۔

جوں جوں معافی کا دن قریب آرہا تھا۔سیوتج کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔آخر کار ایک روز وہ قائداعظم کی خدمت میں پہنچا۔اُس وقت مظہر اور میں ناشتہ کر رہے تھے۔ سیوتج نے قائداعظم سے مداخلت کی درخواست کی۔قائداعظم اُس کی بات سن کر خاموش رہے۔پھر کھڑکی میں سے نیچے باغ کی خوش منظری کا نظارہ کیا اور فرمایا:

’’مسٹر سیوتج قانون کو اپنے تقاضے پورے کرنے چاہئیں اور اس کی بالادستی بھی قائم رہنی چاہیے،آپ معافی مانگنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں، یہ ایک اچھی بات ہوگی۔‘‘ قائداعظم سے مل کر جب سیوتج باہر نکلا تو کہہ رہا تھا’’یہ کتنا عظیم آدمی ہے۔‘‘اس کے بعد مسٹر سیوتج نے عدالت میں جا کر معافی مانگی۔ (این۔اے حسین)

30۔ اخراجات مہمان نے ادا کئے۔

اُنہوں نے سیاست کو کبھی مالی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ مسلمانوں کے لیے اپنی جیب سے خرچ کرتے۔ یہاں تک کہ اپنے سیاسی دَوروں کے اخراجات وہ خود برداشت کرتے۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کے اجلاس کے موقع پر وہ ہمارے مہمان تھے اس لیے ہوٹل کا بل ہمیں اَدا کرنا تھا۔ ہماری حیرت کی اِنتہا نہ رہی جب ہمیں معلوم ہوا کہ قائداعظم نے تمام اخراجات خود ہی ادا کر دیے ہیں۔

(جسٹس ذکی الدین پال)

31۔ چندے کی اپیل

1942ء کے الہ آباد اسٹیشن میں جالندھر سے محمد شریف صاحب، امیر الدین خاں اور سید اکرام اللہ شاہ بھی شریک ہوئے۔ ہمارا قیام وہاں رائل ہوٹل میں ہوا جہاں نواب بہادر یار جگن بھی ٹھہرے تھے۔ اُن دنوں قائداعظم نے 'ڈان' کے لیے چندے کی اپیل کر رکھی تھی۔ جلسہ میں نواب بہادر یار جنگ نے اس سلسلے میں لوگوں سے چندہ دینے کو کہا تو چاروں طرف سے ہزاروں روپے جمع ہونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر قائد کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس دوران جونہی نواب صاحب نے مڑ کر قائداعظم کی طرف دیکھا تو اُنہوں نے 'بیٹھ جایئے' کہہ کر اُنہیں بٹھا دیا اور اپنی تقریر میں فرمایا کہ ''مجھے اس قسم کے چندے نہیں چاہئیں۔ میں نے جو اپیل کر رکھی ہے اُس کا مطلب ہے کہ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا جائے۔ اس طریقے سے جمع کیے گئے چندے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، مسلمانوں کی بیشتر تحریکیں اسی وجہ سے ناکام رہیں، میں جانتا ہوں کہ بہادر یار جنگ آدھ گھنٹے میں بہت بڑی رقم جمع کر سکتے ہیں''۔

دوسرے روز ہم نواب صاحب کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اس دوران جناب امیر الدین خاں نے بات چھیڑی کہ نواب صاحب کو قائداعظم نے منع فرما دیا ورنہ نواب صاحب کے لیے پچاس لاکھ روپے بھی جمع کر لینا معمولی بات تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ نواب صاحب نے قائداعظم بات کا بُرا منایا ہوگا۔لیکن نواب صاحب کا جواب خلاف توقع تھا۔کہا: ''خاں صاحب! ایک زمانہ تھا جب میرا بھی اس اس طرح کا تاثر ہوتا تھا کہ فلاں معاملے میں قائداعظم کیوں مخل ہوئے۔اب میرا یقین پختہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی ہوتا ہے۔'' (جسٹس محمد یعقوب علی)

32۔میرا قائد اسلامی روایات کا پابند ہے

اُس روز میں کراچی میں تھا جب قائداعظم نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا تقریب کے بعد اُن کی واپسی سے کچھ پہلے وائی ایم اے بلڈنگ کے پیچھے جا کر ایوان صدر کے بڑے گیٹ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔اُس جگہ بھیڑ نہیں تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میرے قریب ایک شخص بھی نہیں تھا۔تھوڑی دیر کے بعد دُور سے قائداعظم کی کھلی گاڑی آتی دکھائی دی۔آہستہ آہستہ یہ گاڑی میرے عین سامنے آگئی اور میں نے اپنے قائد کو جی بھر دیکھا، سفید شیروانی اور اپنی مخصوص ٹوپی پہنے وہ بالکل سیدھے بیٹھے تھے اُن کے ساتھ اُن کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔گاڑی بائیں طرف گھمائی اور اُن کی نظریں سیدھی میرے چہرے پر پڑیں۔بے ساختگی میں میرا داہنا ہاتھ ماتھے کی طرف اُٹھا اور پھر وہ وہیں جم کر رہ گیا۔یا اللہ! میرے ہاتھ کے ساتھ ہی میرے قائد کا ہاتھ بھی ماتھے کی طرف اُٹھا۔میرے قائد نے میرے سلام کا جواب دیا۔

میرے قائد نے ایک واحد ہاتھ کا سلام قبول کیا، میرے قائد نے ایک گمنام شخص کا

سلام قبول کیا، میرا قائد اسلامی روایات کا پابند ہے۔ میرا قائد مکمل مسلمان ہے۔

(سید اشفاق نقوی)

33۔ عوامی لیڈر کی سیرت آئینہ کی طرح صاف ہونی چاہیئے۔

25 دسمبر 1940ء کا ذکر ہے۔ قائداعظم ناشتہ سے فارغ ہو کر برآمدے میں بیٹھے حاجی عمر ماچس والے اور دوسرے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کسی نے ہندوؤں کے اس اعتراض کا بھی ذکر کر دیا کہ مسلمانوں کے جناح صاحب درجہ اوّل کا پورا ڈبہ ریزرو کرائے بغیر سفر نہیں کرتے۔ قائداعظم سن کر مسکرا پڑے اور کہنے لگے: ''گاندھی کے ساتھ میرا موازنہ ہی فضول ہے۔ ہمارا اندازِ فکر اور زاویہ نگاہ ہی مختلف ہیں۔ رہن سہن اور رکھ رکھاؤ میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے''۔ ہم ہمہ تن گوش سننے لگے۔ قائد نے فرمایا: ''گاندھی کے گرد نائب لیڈروں اور رضا کاروں کی پوری فوج ہوتی ہے۔ لیکن مجھے اکیلے کام کرنا پڑتا ہے۔ دیکھئے پریس فنڈ ایسی معمولی بات کے لیے بھی مجھے خود یہاں آنا پڑتا ہے''۔

قائداعظم تھوڑی دیر کے لیے رُک گئے۔ اُنھوں نے سگریٹ سلگا کر ایک کش لگایا۔ ہم چپ چاپ بیٹھے منتظر تھے کہ اب قائداعظم کیا فرماتے ہیں۔ سگریٹ کا کش سلگانے کے بعد قائداعظم کہنے: ''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اپنے خرچ پر سفر کرتا ہوں لیگ کے خرچ سے نہیں۔ اس بات پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ باقی فرسٹ کلاس کے ریزرو ڈبے میں سفر کی اصل وجہ کچھ اور ہے اس کا کچھ اور پسِ منظر ہے''۔

قائداعظم نے فرمایا: ''گاندھی جب تیسرے درجے میں سفر کرتے ہیں تو اُن کے

ساتھ ''پوجاریوں'' کی ایک پوری فوج ہوتی ہے۔اس طرح پورا ڈبہ خود بخود ریزرو ہو جاتا ہے۔لیکن مجھے اکیلے سفر کرنا پڑتا ہے۔مجھے کچھ حفاظتی تدابیر بھی اختیار کرنا پڑتی ہیں۔

اُنہوں نے کہا: ''ایک بار میں پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی سے دہلی جا رہا تھا۔پنجاب میل میں بیٹھا ہوا تھا۔فرسٹ کلاس کے پورے کمپارٹمنٹ میں' میں اکیلا ہی تھا۔گاڑی وڈودرا سے چلنے والی تھی کہ میرے ڈبے میں ایک خاتون سوار ہوئی ایک چھوٹے سے ہینڈ بیگ کے سوا اُس کے پاس اور کوئی سامان نہ تھا۔اینگلو انڈین معلوم ہوتی تھی۔شکل وصورت میں بھی اچھی تھی۔وہ میرے سامنے والی نشست پر بیٹھ گئی۔گاڑی آگے بڑھی اور تیز رفتار ہوئی تو میں اپنی سیٹ پر دراز ہو کر پڑھنے لگا۔کچھ دیر کے بعد خاتون نے مجھے مخاطب کر کے کہا: ''ایک ہزار روپیہ دے دو وَرنہ زنجیر کھینچ کر شور مچادوں گی۔میں چپ رہا جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔وڈودرا سے چلی ہوئی گاڑی کہیں جا کر گودرا رُکتی تھی۔سفر کافی تھی۔معاملہ پریشان کُن تھا۔خاتون نے دو تین بار اپنا مطالبہ دہرایا مگر میں خاموش بیٹھا رہا جیسے سُنا ہی نہیں۔خاتون آپے سے باہر ہو گئی جوش میں آ کر اُس نے میرا بازو تھاما اور چلا کر کہا: ''تم نے سنا نہیں''۔عزت خاک میں ملانی ہے۔میں نے کانوں پر ہاتھ رَکھ کے بتایا کہ میں بہرہ ہوں، کچھ نہیں سمجھ سکا۔ میں نے کاغذ اور پنسل نکال کر اشارہ سے سمجھایا کہ جو کچھ کہنا چاہتی ہو اِس پر لکھ دو۔ محترمہ نے طیش ہی طیش میں میرے ہاتھ سے کاغذ اور قلم چھین لیے۔جلدی میں اُس نے لکھ دیا: ایک ہزار روپیہ دے دو وَرنہ بدنامی ہو گی''۔

میں نے کاغذ جیب میں ڈال اور زنجیر کھینچ کر گاڑی رُکوادی۔تھوڑی دیر بعد گارڈ آ گیا

اور میں نے خاتون کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی چٹ اس کے حوالے کردی۔ خاتون کو پکڑ لیا گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ اس واقعہ کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا کہ پورا ڈبہ مخصوص کرائے بغیر سفر نہیں کروں گا۔ پبلک زندگی میں کردار سب سے بڑی چیز ہوتا ہے۔ عوامی لیڈر کی سیرت آئینہ کی طرح صاف ہونی چاہیے۔ سیرت داغ دار ہو جائے تو پوری کارکردگی پر پانی پھر جاتا ہے۔ سب کچھ کیا کرایا مٹی میں مل جاتا ہے۔ کانگریس والے یہ جانتے ہیں۔ مجھے اُن کے ہتھکنڈوں سے چوک سرہنا پڑتا ہے۔"

(ولی بھائی)

34۔ صحافت کی آزادی

یہ واقعہ یاد کر کے میرا سر اظہارِ تشکر میں جھکتا اور احساسِ فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں ایک طویل گفتگو کے موقع پر اُنہوں نے میرے اخبار کے افتتاحیہ مقالوں میں آزادی رائے کی ضرورت پر زور دیا۔ میں نے ایک مضمون لکھا تھا جسے چھپے لفظوں میں خود قائداعظم پر اعتراض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس کا مطالعہ فرما چکے تھے۔ اُسی روز شام کو اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُنہوں نے صرف اتنا کہا: "میں تمہارا مضمون پڑھ چکا ہوں"۔ کچھ دیر کے بعد اُن کی زبان مبارک سے وہ الفاظ نکلے جن کو میں تمام صحافت نگاروں کے لیے آزادی کا منشور سمجھتا ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا: "کسی موضوع پر غور کرو اپنے دل میں فیصلہ کرو۔ اگر تم اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہو کہ ایک خاص نظریہ یا اعتراض پیش کرنا ضروری ہے تو بالکل وہی لکھ ڈالو جو حقیقتاً تم نے محسوس کیا ہے۔ کبھی پس و پیش نہ کرو اس خیال سے کہ کوئی ناراض ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنے قائداعظم کی ناراضگی کی بھی پروا نہ کرو۔"

اس سے زیادہ قدر و منزلت ہمارے پیشے کی اور کیا ہو سکتی ہے اور حقیقتاً ایک عظیم المرتبت ہستی ہی یہ الفاظ ادا کر سکتی ہے۔ (الطاف حسین)

35۔ بے جا رعایت

قصہ یوں ہے کہ دہلی میں ایک ملاقات میں سیٹھ حاجی محمد صدیق مالک فرم بمبئے کلاتھ ہاؤس نے قائداعظم سے عرض کیا کہ اب کے آپ لاہور تشریف لائیں تو ہماری دکان کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے زینت بخشیں۔ قائداعظم جو مسلمانوں کی بہتری و فلاح کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے، یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ لاہور میں مسلمانوں کی اور وہ بھی میمن برادری کی ایک شایان شان دکان ہے۔ فرمانے لگے اب کے لاہور آؤں گا تو تمہاری دکان کو بھی ضرور دیکھوں گا۔

چنانچہ اپریل **1944**ء میں جب لاہور تشریف لائے تو ایک دن بارہ بجکر دس منٹ پر آنے کا وعدہ کیا۔ دکان کے مینیجر مسٹر محمد عمر نے دس کروڑ مسلمانوں کے اس عظیم الشان قائد کے استقبال کے لیے جو کچھ بھی ہو سکتا تھا کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی دکان زربفت کپڑوں سے دلہن کی طرح سجائی گئی۔ شاندار ٹی۔ پارٹی کا انتظام کر لیا گیا اور بہت سے مسلمان تاجروں کو بھی بلا لیا گیا۔ دکان کے معائنہ کے دوران اُنہوں نے چاینہ کارڈ اور پیور ریشم کے کپڑے بھی پسند فرمائے جو ہم نے اُنہیں تحفتہً پیش کیے۔ لیکن اُنہوں نے اس طرح لینے سے انکار کر دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگر ہم نے بہت کوشش کی وہ اُنہیں بطور تحفہ قبول کر لیں مگر وہ کسی طرح نہ مانے۔ آخر بل پیش کر دینے کے پختہ وعدہ پر اُنہوں نے کپڑے رکھ لیے۔ ہم نے خواہش ظاہر کی کہ ایک اچکن ہم سے سلوائی جائے۔ اس پر وہ اس شرط پر رضا مند ہوئے کہ درزی اچھا ہو اور ناپ ڈیوس روڈ پر

ممدوٹ ولا میں لیا جائے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے کیونکہ وہ دکان پر ناپ نہیں دینا چاہتے تھے۔

دوسرے دن ماسٹر فیروز کو لے کر میں قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناپ سے فارغ ہو کر ہم واپس آنے لگے تو فرمایا کہ اچکن کے لیے حیدر آبادی بٹنوں کے جو سیٹ آتے ہیں وہ لے آنا۔ فرمائش کے مطابق دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب ہم ممدوٹ ولا پہنچے۔ بٹنوں کے سیٹ جو ہم ساتھ لائے تھے اُن کو ایک نظر دیکھا اور چار سیٹ پسند کر کے الگ رکھ لیے۔ باقی واپس کر دیے۔ کہنے لگے بل لاؤ۔ بل کے لیے وہ اس سے پہلے ہی کئی مرتبہ اصرار کر چکے تھے۔ لیکن وہ ہمارا مطلب سمجھ گئے تھے۔ آج بل کے لیے قدرے سخت اور درشت لہجے میں مطالبہ کیا کہنے لگے میں اُدھار لینے کا عادی نہیں ہوں۔ بل لاؤ۔ ورنہ کپڑے واپس کر دیے جائیں گے۔ میں نے منیجر سے کہا کہ یہاں ٹال مٹول سے کام نہیں چلے گا۔ بل دینا ہی پڑے گا ورنہ وہ سارے کپڑے لوٹا دیں گے۔ منیجر صاحب نے خاصا رعائتی بل بنا کر کر دے دیا جو آدھے سے بھی کم قیمت پر مشتمل تھا۔ میں نے جا کر خدمت میں پیش کر دیا جسے دیکھ کر مسکرائے کہنے لگے: ''یہ بل مناسب نہیں تم نے قیمتیں جان بوجھ کر کم لگائی ہیں۔'' میں نے کہا منیجر صاحب نے آپ کو خاص رعایت کی ہوگی۔ کہنے لگے: ''رعایت کی اور بات ہے یہ رعایت سے مختلف صورت ہے۔ تم بل درست کرا کر لاؤ'' یہ کہہ کر بل واپس کر دیا اس کے بعد میں نے بٹن والے کا بل پیش کیا جو دس روپے کی مالیت پر مشتمل تھا۔ بل دیکھ کر فرمایا: بھئی واہ! ایک سیٹ میں تو تین بٹن کم ہیں، لیکن بل تم نے پورے کا بنا دیا۔ یہ کہنا درست تھا۔ ایک سیٹ میں بٹن کم تھے۔ لیکن بل کو میں نے اس خیال سے

دیکھا نہ تھا اور دکان دار نے بھی اُس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ بہر حال اس بل کو درستی کے لیے واپس لانا پڑا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں کئی دنوں تک سوچتا رہا کہ آخر کیا بات ہے کہ ایک طرف تو سینکڑوں روپے کی رعایت کو بھی یہ شخص قبول نہیں کرتا اور دوسری جانب تین بٹنوں کے آٹھ آنے بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

(ولی بھائی)

36۔ سفارشی رقعہ

قائداعظم سے ملنے کے لیے رائے پور کا ایک سٹیشن ماسٹر دہلی آیا۔ وہ ان کے سیکرٹری سے ملا اور بتایا کہ میں اپنی سروس کے سلسلے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ سیکرٹری نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: ''قائداعظم اِن دنوں بہت مصروف ہیں۔ اگر وہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے وقت دیتے رہے تو پھر تحریکِ پاکستان جیسا عظیم کام کس طرح سرانجام دے سکیں گے۔'' سیکرٹری نے اُسے واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا لیکن سٹیشن ماسٹر مجھ سے ملا اور بتایا: ''میں بڑی دُور سے آیا ہوں۔ قائداعظم تک پہنچنے کے سلسلے میں تم ہی کچھ میری مدد کرو۔''

میں نے اسی دن قائداعظم سے تذکرہ کیا اور اُنہیں بتایا کہ اس سٹیشن ماسٹر کو محض اس لیے ترقی دی جارہی ہے کہ وہ مسلمان ہے حالانکہ وہ امتحان بھی پاس کر چکا ہے اور اُصولی طور پر اسے بی گریڈ ملنا چاہیے''۔

قائداعظم اُسی وقت اُس شخص سے ملے۔ جی آئی پی ریلوے کے ایک اعلیٰ انگریز عہدہ دار کو رقعہ لکھ کر اس دھاندلی کی طرف توجہ دلائی۔ فوری کارروائی ہوئی اور پندرہ منٹ کے اندر اندر اسے بی گریڈ دیے جانے کے احکامات جاری ہو گئے۔

سٹیشن ماسٹر صاحب خوشی خوشی کاندھے پر پھلوں کا ٹوکرا لادے قائداعظم کا شکریہ ادا کرنے واپس آئے۔ میں نے جب قائداعظم کو اطلاع دی تو انہوں نے محض اس لیے ملنے سے انکار کر دیا کہ: ''میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھ سے کہے کہ میں آپ کا ممنون ہوں یا آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا''۔ البتہ قائداعظم نے اسے یہ پیغام ضرور بھجوایا: ''خوب محنت سے کام کرو''۔ (محمد حنیف آزاد)

37۔ہم سب کو بہت کام کرنا ہے۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے بانی پاکستان قائداعظم کی خدمت میں متعدد بار باریابی کا موقع ملا۔ بعض انتہائی اہم معاملات کے ضمن میں تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کی تین باتوں نے بہت متاثر کیا: ایک تو ان کی ذہانت اور پیچیدہ ترین معاملے کی تہ تک پہنچ جانے کی خداداد صلاحیت، دوسرے لگی لپٹی اور ذہنی تحفظات کے غیر اظہارِ خیال بھی اُنکی شخصیت کا ایک مسلمہ پہلو تھا۔ اُن سے گفتگو کرنے کے بعد مسئلہ زیرِ بحث پر انکی رائے کے متعلق کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا تھا۔ تیسری بات وقت کے بارے میں اُنکا شدید احساس تھا۔ وہ تضیع اوقات کو ایک ناقابلِ معافی جرم سمجھتے تھے۔ میں ایک انتہائی اہم کام کے ضمن میں اُن سے ملنے کے لیے کراچی سے زیارت پہنچا۔ کوئٹہ تک کا ہوائی سفر اور پھر کوئٹہ سے زیارت کا پہاڑی راستہ طے کر کے میں تھک چکا تھا۔ قائداعظم نے غور سے میری بات سنی اور پانچ ہی منٹ میں اس کا قطعی جواب دیا اور مجھے رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔ چلتے وقت مجھ سے پوچھا: ''کیا سیدھے واپس جاؤ گے؟''

میرے اثبات میں جواب دینے پر فرمایا: ''ٹھیک ہے ہم سب کو بہت کام کرنا ہے۔

وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔'' میرا ارادہ زیارت میں دو چار گھنٹے قیام کرنے کا تھا، یہ سن کر میں فوراً ہی واپس چلا آیا۔ (مشتاق احمد خاں)

38۔پاکستان میں کوئی بادشاہ نہیں۔

دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا۔ایک خوشامدی نے نعرہ لگایا:

''شاہِ پاکستان زندہ باد!'' قائداعظم بجائے خوش ہونے کے فوراً بولے:

''دیکھیں، آپ لوگوں کو اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔پاکستان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوگا، وہ مسلمانوں کی ریپبلک ہوگی جہاں سب مسلمان برابر ہوں گے۔کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوگی''۔ (محمد یامین خاں)

39۔مسلم لیگ کی جمہوری حیثیت

1936ء کے لکھنؤ کے اجلاس میں میں نے اُن کو پہلی بار دیکھا۔وہ اجلاس کی منتخب کمیٹی کی صدارت کر رہے تھے۔کمیٹی کے اراکین کو جھگڑتا دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی نشست تو شاید مہینوں میں بھی ختم نہ ہو مگر قائداعظم کی طرف جب نگاہ اٹھتی تو میں ان کو نہایت متانت سے بیٹھے سگریٹ پینے میں مشغول پایا۔جب لوگ اپنے اپنے نظریے پیش کر چکے تو قائداعظم کھڑے ہوتے اور چند ہی لفظوں میں تمام مقررین کے اعتراضات اور خدشات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنا نظریہ مختصر الفاظ میں پیش کر کے پوچھتے: ''کچھ اور کہنا ہے آپ لوگوں کو؟'' سب کہتے کچھ نہیں اور قرارداد بالاتفاق رائے منظور ہو جاتی۔اس کمیٹی میں ایک قرارداد پر مولانا حسرت موہانی مرحوم اَڑ گئے۔ قائداعظم کو یقین تھا کہ مولانا اس قرارداد کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھے۔مگر مولانا پر دباؤ ڈالنا منظور نہ تھا۔چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ مولانا

سے مخاطب ہو کر کہا کہ: ”مسلم لیگ تو جمہوری حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کمیٹی میں مولانا سمجھتے ہیں کہ اُنہیں شکست ہوگئی ہے تو آئندہ اجلاس کا انتظار کریں اور اس فیصلے کو بدلوانے کی کوشش کریں۔“

مولانا کی طبیعت چونکہ خود جمہوریت پسند تھی۔ اُنہوں نے قائداعظم کی اس تجویز کو منظور کرلیا۔ (مطلوب الحسن سید)

40۔ اعتماد کا ووٹ سال بسال

جس طرح وہ اپنی زندگی میں انتہائی دیانت دار تھے اُسی طرح میدانِ سیاست میں بھی قدم نہایت دیانت داری سے اُٹھاتے۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب مسلمانوں نے چاہا کہ مسلم لیگ کے صدر کا سالانہ انتخاب ختم کر کے قائداعظم ہی کو مستقل صدر بنانے کی قرارداد منظور کرائی جائے۔ مگر اُنہوں نے جواب دیا:

”نہیں، سالانہ انتخابات نہایت ضروری ہیں۔ مجھے ہر سال آپ کے سامنے آکر آپ کے اعتماد ووٹ حاصل کرنا چاہیے۔“ (بیگم لیاقت علی خان)

41۔ میں نے بہت کچھ سیکھا

قائداعظم کے ساتھ بارہ برس کی رفاقت میں، میں نے چند نہایت اہم باتیں سیکھی ہیں اوّل یہ کہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہو جس پر پوری طرح عمل کرنے سے قاصر رہو۔ دوسرے اپنے ذاتی تعلقات ورجحانات کو قومی مفاد میں خلل انداز نہ ہونے دو اور اس معاملے میں دوسروں کے کہنے کی قطعاً پروانہ کرو اور تیسرے اگر تم سمجھتے ہو کہ کسی بات میں تم راستی پر ہو تو دشمن کے آگے خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو ہرگز نہ جھکو۔

(لیاقت علی خان)

42۔پہلے صحیح فیصلہ، پھر عمل

اپنی سیاسی زندگی میں قائداعظم نے سستی شہرت اور نام نمود کی خواہش نہیں کی۔ قائد وہی کچھ کرتے تھے جسے وہ دُرست سمجھتے تھے، قطع نظر اس اَمر کے عوام کو وہ پسند ہے ناپسند۔ ایک دفعہ اُنہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہا تھا: ''تم پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن میرا طریقہ عمل بالکل مختلف ہے۔ پہلے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ صحیح کیا ہے؟ دُرست کیا ہوگا؟ اور پھر اُس پر عمل شروع کر دیتا ہوں۔ لوگ میرے گرد جمع ہونے لگتے ہیں اور مخالفت غائب ہو جاتی ہے۔'' (ہیکٹر بولائیتھو)

43۔انسانی کردار کی انتہائی پستی

قائداعظم سے میرے تعلقات محض اَیسے نہیں تھے جو گورنر جنرل اور اس کے اسٹاف کے درمیان ہونے چاہئیں۔ بے تکلفی کے لمحوں میں قائداعظم شفقت اور کرم کا مجسمہ ہوتے تھے خصوصاً ایسے لمحوں میں، مجھ پر اُن کے اَلطاف بے پایاں ہوتے تھے۔ اکثر مجھے یہ سعادت نصیب ہوتی کہ وہ مجھ سے اپنے خیالات اور رجحانات کے متعلق ہوگئی تھیں۔ اُسی زمانے میں قائداعظم ایک دن فرمانے لگے کہ مسلمان قوم کی ایک بہت بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں کو خود ہم ہی میں سے اَیسے لوگ مل جاتے ہیں جو آسانی سے اُن کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ ایک اور موقع پر زیارت میں ایسے مسلمان گفتگو کا موضوع بن گئے جنہوں نے جنگ کے زمانے میں جنگی ملازمتیں کرلیں اور اپنے انگریز افسروں کو خوش کرنے کی اُمید میں شراب خوری کے عادی بن گئے۔ اس سلسلے میں قائداعظم نے فرمایا: ''یہ انسانی کردار کی انتہائی پستی ہے کہ وہ ایسی رکیک حرکتیں کر کے دوسروں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے۔ لوگوں کو جو کام اُن کے سپرد کیا

جائے خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو اُسے قابلیت کے ساتھ اور اچھی طرح انجام دیں
دیر یا سویر اُن کی محنت کا انعام ضرور ملتا ہے۔ کوئی آقا یا حکومت کسی ملازم کو ترقی
کرنے سے ہرگز نہیں روک سکتی۔ اگر سرکاری ملازم اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور
اُونچے مرتبے یا ترقی حاصل کرنے لیے سفارشوں اور سازشوں سے کام لینا چھوڑ دیں
تو اَقربا پروری اور دوست نوازی کا خاتمہ ہو جائے اور ہماری سیاسی زندگی کہیں زیادہ
صحت مند عناصر سے معمور ہو جائے۔" (فرخ امین)

44۔ماؤنٹ بیٹن کے مشورے کا جواب

جلوس کے اختتام پر اسمبلی ہال میں انتقالِ اقتدار کی تقریب ہوئی۔ اس میں لارڈ
ماؤنٹ بیٹن نے پاکستانیوں کو اپنے سفید فام جسم میں ہزار کدورتوں اور خیانتوں کی
سیاہیاں چھپائے یہ مشورہ دیا کہ وہ نئی مملکت میں عدل وانصاف اور رَواداری کی وہ
روائتیں قائم کریں جو مغل بادشاہ اکبر نے قائم کی تھیں۔ قائداعظم نے اپنی جوابی
تقریر میں ماؤنٹ بیٹن کے اس مشورے کو للکارے بغیر نہ جانے دیا۔ اُنہوں نے
بڑے باوقار انداز میں فرمایا کہ عدل وانصاف اور رواداری کی روائتیں ہمیں اس سے
بہت پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملی تھیں۔ (محمد یونس)

45۔لنکن اِن کی فضیلت

یہ واقعہ خود قائداعظم نے 1947ء میں کراچی کلب کی ایک تقریب میں سنایا تھا۔
اُنہوں نے بتایا: "میں نے بیرسٹری کے لیے 'لنکن اِن' میں محض اس لیے داخلہ لیا تھا کہ
اس کے صدر دروازے پر دنیا کے ممتاز قانون سازوں کی فہرست میں پیغمبرِ اسلام
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی بھی شامل تھا۔" (نواب صدیق علی خان)

46۔ کیا تم مجھے منافق سمجھتے ہو؟

اُن کے خلوص اور اُصول پرستی کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ جو دیانت اور روحانی بلندی وہ اپنے ساتھ لائے تھے، صدیوں میں پیدا نہیں ہوتی۔ تقسیم سے پہلے جب مختلف فرقوں اور گروہوں کی شر پسندی اور فساد آمادگی کی خبریں آنے لگیں تو کچھ لوگوں نے جا کر اُن کی خدمت میں عرض کی مسلمانوں کو بھی اُن کے مخالفین کی طرح ہتھیاروں اور گولہ بارود سے مسلح رہنا چاہیے اور اس سلسلے میں قائداعظم کو اقدام کرنا چاہیے۔ قائداعظم یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے:

''کیا تم لوگ مجھے منافق سمجھتے ہو کہ ایک طرف تو صُلح کی اپیل پر دستخط کروں اور دوسری طرف تمہارے لیے ہتھیاوں کا بندوبست کروں۔ میں ہرگز ہرگز کسی ایسی تحریک کی حمایت نہیں کرسکتا خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہو خواہ غیر مسلموں کی طرف سے''۔

(ممتاز حسن)

47۔ پاکستان کا کیک

میرے والد مرحوم (ملک برکت علی ایڈووکیٹ) کی طرف سے ایک ٹی پارٹی دی گئی جس میں قائداعظم کے سامنے وہ کیک رکھا گیا جو ہندوستان کے نقشے کے مطابق بنایا گیا تھا اور اس میں پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقوں کا رنگ سبز تھا۔ جب بابائے قوم نے کیک کاٹا تو بڑی احتیاط سے کیک کا سبز حصہ الگ کر دیا۔ کس نے کہا: ''حضور! ذرا سا اور حصہ کاٹ دیجیے۔'' جواب ملا: ''میں اس طرح کا تجاوز ہرگز پسند نہیں کرتا''۔

(ملک افتخار علی)

48۔ غیر سیاسی عمل اور اس کا جواب

1944ء میں رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ قائد اعظم شملہ میں مقیم تھے۔ کسی مقدمے کے سلسلے میں وہ کلکتہ تشریف لائے اُن دنوں مہاتما گاندھی واردھا میں مقیم تھے۔ راج گوپال اچاریہ کی کوشش سے بمبئی میں گاندھی، جناح ملاقات کا وقت طے ہو چکا تھا۔ قائد اعظم کلکتہ سے بمبئی جانے والے تھے کہ گاندھی جی نے ایک تار کے ذریعے سے خواہش ظاہر کی کہ وہ کلکتہ سے جاتے وقت کچھ دیر کے لیے واردھا بھی رُک جائیں۔ قائد اعظم نے تار کے ذریعے جواب دیا کہ ملاقات طے شدہ وقت کے مطابق بمبئی میں ہوگی۔ قائد اعظم کے اس جوابی تار کو بھارت کے تمام اخبارات میں چھاپا گیا اور اُنہیں بد مزاج، مغرور وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا گیا۔ ان خبروں کو سن کر مجھے بھی غصہ آیا اور میں نے قائد اعظم کو ایک تند و تیز خط لکھ دیا۔ جس میں، میں نے یہ کہا کہ آپ کا یہ عمل غیر اسلامی اور غیر سیاسی ہے۔ قائد اعظم نے میرے اس خط کا جواب نہ دیا حالانکہ وہ میرے اکثر خطوں کا جواب دیا کرتے تھے۔ چند دنوں بعد جب میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں بمبئی گیا اور قائد اعظم سے میری ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے کھانے کے بعد خود ہی میرے خط کا تذکرہ کیا۔ اُنہوں نے مجھے بتایا:

''مسلم لیگ اس وقت پوری طرح منظّم نہیں ہے۔ ہمارے پاس پروپیگنڈے کے وسائل مفقود ہیں جب کہ ہندوؤں کو تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ اگر اس وقت میں تمہارے مہاتما سے ملتا تو وہ تصویریں تمام ہندوستان کے اخبارات میں چھپتیں جن میں تمہارے مہاتما لکڑی کی چوکی پر بیٹھے ہوتے اور میں نیچے کھڑا ہاتھ ملا رہا ہوتا۔

یہ تصاویر جب ہمارے مسلم عوام کے سامنے پہنچتیں تو اس جدوجہد کو ٹھیس پہنچتی جو ہم مسلمانوں کو ان کے تشدد کے خلاف منظّم کرنے کے لیے کر رہے ہیں قائد اعظم کی یہ

بصیرت اور سوجھ بُوجھ مجھے ہمیشہ یاد رہی۔ (خاتم علی علوی)

49۔ یہ خط جناح کے نام آتے ہیں

واجد علی نے مجھے بتایا کہ ایک روز قائداعظم نے کہا: ''کیا بتایا جائے، خاصی تعداد میں خطوط آتے ہیں کہ ان کے جوابات دینے میں خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے''۔

واجد علی نے جواب میں عرض کیا: ''آپ حکم دیں تو میں حاضر ہو جایا کروں اور خطوط کا جواب آپ کی ہدایت کے مطابق لکھ دیا کروں''۔

قائداعظم نے فرمایا: ''تم ایک بات بھول رہے ہو کہ یہ خط جناح کے نام آتے ہیں اور کسی کے نام نہیں''۔ یہ نکتہ بعد میں غور و فکر سے سمجھ میں آیا کہ ہر خط لکھنے والے کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جس کو خط کے ذریعے مخاطب کرے وہی اُس کا جواب دے۔

(فقیر سید وحید الدین)

50۔ شخصیت پرستی تباہ کن ہے

24 دسمبر 1945ء کو ای وارڈ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے چند کارکن قائداعظم کے دولت خانے پر ایک جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے گئے۔ اُن میں سے ایک شخص نے مُصافحہ کرتے ہوئے جوشِ عقیدت میں قائداعظم کا ہاتھ چوم لیا۔

قائداعظم نے فرمایا: ''لوگوں کو چاہیے کہ وہ مجھے معمولی آدمی تصور کریں۔ پیر و مرشد نہ سمجھ لیں۔ اس طرح لوگوں میں غلط اور تباہ کن طریقہ پر سر جھکانے کی عادت پڑ جاتی ہے جسے عرفِ عام میں شخصیت پرستی کہتے ہیں اور یہ مرض نقصان دہ اور مضر اور اسلام میں ناروا اور ناجائز ہے''۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی، دسمبر 1945ء)

51۔ رمضان المبارک میں دعوت سے انکار

قائداعظم کے اسلامی کردار کے بارے میں ایک تاریخی واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جارج ششم شاہِ انگلستان کے زمانے میں ہندوستان کے لیے مزید اصلاحات کے سلسلے میں قائداعظم لندن تشریف لے گئے۔ مذاکرات جاری تھے کہ قصرِ بکنگھم سے ظہرانے کی دعوت موصول ہوئی۔ اس زمانے میں قصر کی دعوت ایک اعزاز ہی نہیں بلکہ ایک یادگار موقع ہوتا تھا لیکن قائداعظم نے یہ کہہ کر اس دعوت میں شرکت کرنے سے معذرت کر دی کہ ''آج کل رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہے اور اس میں مسلمان روزے رکھتے ہیں۔'' (نواب صدیق علی خان)

52۔ جناح کو رشوت

1935ء کے ایک ایکٹ کے تحت جب ملک کو فیڈریشن کی پیش کش ہوئی تو اس وقت ہندوستانی لیڈروں میں قائداعظم ہی ایک ایسے رہنما تھے جنہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر وزیراعظم برطانیہ لارڈ ریمزے میکڈانلڈ نے قائداعظم کو ایک پرائیویٹ گفتگو کے لیے بلایا اور اُن کو یہ کہہ کر خریدنے کی کوشش کی: ''اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو دوسرا کیوں نہیں کر سکتا۔'' (گویا ارشاد فرمایا جا رہا تھا کہ اگر آپ فیڈریشن کی مخالفت ترک کر دیں تو ہم آپ کو لارڈ کا خطاب دے کر کسی صوبے کا گورنر بنا دیں گے)۔ اس پر قائداعظم لارڈ ریمزے کے کمرے سے بغیر کسی تمہید کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بات برطانوی وزیراعظم کے لیے انتہائی تعجب کا باعث ہوئی اور وہ حیران ہو کر قائداعظم کے ساتھ دروازے تک آیا اور جب اس نے الوداع کہنے کے لیے مصافحے کا ہاتھ بڑھایا تو قائداعظم نے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ اب تو برطانوی وزیراعظم مارے خجالت کے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اس نے پوچھا

"آخر یہ کیوں؟" قائداعظم نے سنجیدگی سے جواب دیا: "اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا۔ آپ کے خیال میں، میں کوئی بکاؤ مال ہوں"۔

(ابراہیم اسماعیل چندریگر)

53۔ایمان ، اتحاد اور تنظیم ایک نعرہ نہ تھا۔

پاکستان کی زندگی کا سال اوّل کچھ ایسے اہم مسائل لے کر طلوع ہوا کہ ان پر کابینہ میں غوروخوض کرتے وقت رہنمائی ضروری تھی ۔ چنانچہ کابینہ کے اکثر اجلاسوں کی صدارت قائداعظم خود کیا کرتے تھے۔ وہ آزادانہ بحث مباحثے کا موقع دیا کرتے تھے اور اپنا نقطہءنظر پُرزور استدلال کے ساتھ پیش کرتے لیکن مخالف کی رائے کو بھی کھلے دل سے سنتے بشرطیکہ وہ حقائق اور مقبولیت پر مبنی ہو۔ انہیں غصہ صرف دانشورانہ بددیانتی اور احمقانہ ضد پر آتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے اور بڑے صبروتحمل سے کسی پالیسی کے اچھے اور بُرے پہلو واضع کرتے ۔ جو کاغذ بھی اُن کے سامنے پیش کیا جاتا اسے نہایت احتیاط اور ایمانداری سے پڑھتے ۔ بے لوث صداقت شناس کی طرح ان کی جفاکشی بھی حیران کن تھی۔ اُن کی نگاہ سے کسی معاملے کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی مخفی نہ رہتی تھی۔

سخت نامساعد حالات میں بھی نہ اُن کی سوجھ بوجھ نے جواب دیا اور نہ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹا۔ ملک کئی دفعہ خطرات سے دوچار ہوا لیکن اُن کے حوصلہ وجرأت نے اسے سنبھالے رکھا۔ ان کا ماٹو ایمان، اتحاد اور تنظیم محض ایک نعرہ نہ تھا۔ یہ درحقیقت اس تجربے کا ایک غیر مبہم اظہار تھا جس سے قائداعظم اپنی قوم کے ساتھ کامیاب وکامران گزرے تھے۔

(چودھری محمد علی)

54۔ جمہوری حق کا استعمال

مشرقی بنگال کی نئی صوبائی حکومت ڈھاکے میں قائم ہونے والی تھی۔ حسین شہید سہروردی تقسیم کے وقت بنگال کے وزیرِاعلیٰ تھے۔اب اُن کی جگہ ناظم الدین نے لی۔ کلکتہ جو سہروردی کا قلعہ تھا، بھارت کو ملا۔ خواجہ ناظم الدین ڈھاکے سے تعلق رکھتے تھے اور مشرقی بنگال کی صوبائی اسمبلی کے ارکان سُہروردی صاحب کے مقابلے میں زیادہ تر اُن کے ساتھ تھے۔ سہروردی صاحب نے قائداعظم کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم دونوں میں سے ایک کو مرکزی کابینہ میں لے لیا جائے اور دوسرے کو مشرقی بنگال کا بلا مقابلہ وزیرِاعلیٰ بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ مگر قائداعظم نے فیصلہ کیا کہ اسمبلی کے ارکان اپنا حق استعمال کریں گے اور رائے شماری کے ذریعے وزیرِاعلیٰ کا انتخاب عمل میں لائیں گے۔ چنانچہ رائے شماری ہوئی اور خواجہ ناظم الدین مشرقی بنگال کے وزیرِاعلیٰ منتخب کر لیے گئے۔

(چودھری محمد علی)

55۔ جناح صاحب کی فیس

ایک دفعہ جناح کے پاس ایک مؤکل آیا اور قانونی مشورہ چاہا۔اُس کے مقدمہ کی مثل بہت لمبی چوڑی تھی اور جناح صاحب کی فیس بہت زیادہ۔اُس شخص نے کہا کہ اُس کے پاس صرف دس ہزار روپے ہیں۔ جناح صاحب نے مقدمہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر اس شخص کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ جناح صاحب اس وقت مثل کا معائنہ چھوڑ دیں،جب دس ہزار روپے کی فیس ختم ہو جائے۔ (یہ انتظام کچھ ایسا تھا کہ ایک گھنٹہ کی اتنی فیس) اور جہاں تک آپ دس ہزار روپے میں پڑھ لیں وہاں تک ہی اپنی رائے دے دیں۔ جب ساری مثل کا معائنہ کر چکے اور حساب کیا گیا تو فیس صرف

3500 روپے بنی اور باقی رقم مؤکل کو واپس کر دی گئی۔ (دیوان چمن لال)

56۔ بے لاگ اور سچی بات کی قدر

یہ دُرست ہے کہ قائداعظم بڑے مستحکم مزاج انسان تھے اور بہت سوچ سمجھ کر ہی کوئی قدم اُٹھاتے تھے لیکن اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی رائے کو ہر حالت میں مسلط کرنا ضروری سمجھتے ہوں۔ ایک نہیں متعدد واقعات ایسے ہیں جب اُنہوں نے نہایت معمولی درجہ کے لوگوں کی بات غور سے سن کر اپنے فیصلے میں مناسب تبدیلی و ترمیم کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہا درجے کے منصف تھے اور حق بات کا ہمیشہ احترام کرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے کہ ایک موقع پر ایک اخباری نمائندے نے ایک خاص سیاسی مسئلہ پر اُن سے ایک بیان لیا۔ اُن کی عادت تھی کہ بیان قلمبند کروانے کے بعد اُسے ٹائپ کروا کر ایک نظر دیکھتے اور اس کی ایک کاپی اپنے پاس رکھتے۔ یہ بیان میرے پاس ٹائپ ہونے کے لیے آیا تو میں نے چٹ بھیجی کہ اس موضوع پر کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے مجھے فوراً بلا لیا "میری دانست میں آپ کا بیان پیش از وقت ہوگا اور اُسے جاری کرنے میں یہ قباحتیں پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔" اُنہوں نے غور سے میرے دلائل کو سنا اور وہ بیان روک لیا۔ قائداعظم بے لاگ اور سچی بات کہنے والے کی حد سے زیادہ قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی کا بہت احترام کرتے تھے۔ (مطلوب الحسن سید)

57۔ رکھتا ہے دل میں تاب و تواں نو کروڑ کی

ہم دو بجے ہوائی اڈے پہنچ گئے۔ قائداعظم کو سٹریچر کے ذریعے طیارہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو جہاز کے عملے نے اُنہیں سلوٹ کیا۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم

نے فی الفور اس کا جواب دیا حالانکہ وہ اِس قدر نحیف و ناتواں ہو چکے تھے کہ اُن کا بستر پر کروٹ بدلنا بھی محال تھا اور ان میں کھانسنے تک کی سکت بھی نہیں تھی۔

چنانچہ ہم حیران رہ گئے کہ آخر یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ اُنہوں نے سلامی کو مُستعدی سے پذیرائی بخشنے کے لیے قوت مجتمع کر لی۔ یہ ایک حیران کُن اور نا قابل فراموش لمحہ تھا جس سے ان کے اس احساسِ فرض اور ڈسپلن سے لگن کا اظہار ہوتا ہے جسے اُنہوں نے قریب المرگ ہونے کے باوجود نظر انداز نہیں کیا تھا۔ (کرنل الٰہی بخش)

58۔ چِقوں کا بل

ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنے کمرے کے لیے ایسی چقوں کی تیاری کا حکم دیا جو ڈوری گھسیٹنے سے لپٹ سکیں۔ ان چقوں میں لکڑی کی باریک پٹیاں استعمال ہوتی تھیں۔ جس فرم کو یہ آرڈر دیا گیا تھا اس کا مالک ایک نوجوان آدمی تھا۔ اس نے جو تخمینہ دیا تھا اس میں ٹیک کی لکڑی استعمال ہوتی تھی لیکن کسی سبب سے اُسے یہ لکڑی مہیا نہ ہو سکی۔ اس لیے اس نے اُنہیں مطلع کیا کہ وہ لکڑی چونکہ دستیاب نہیں اس لیے اس کی جگہ دوسری لکڑی لگا دینا مناسب ہوگا اور یہ لکڑی ایسی ہی ہے کہ جو ٹیک ہی کی ہم پلہ ہے۔ قائداعظم اس بات پر راضی ہو گئے۔ جب چِقیں بن کر آئیں تو فرم کے مالک نے بل پُرانے تخمینے کے مطابق بنایا۔ اس پر اُنہیں اعتراض ہوا کہ پہلے تخمینے میں ٹیک کی لکڑی لگی تھی اب چونکہ یہ نہیں لگی اس لیے اس کی قیمت میں کمی ہونی چاہیے۔

نوجوان کا کہنا تھا کہ چِقوں کی تیاری میں اور دوسرے درجے کی لکڑی کو ٹیک کے ہم پلَہ بنانے میں اس کا خرچ اُتنا ہی آیا ہے جتنا کہ ٹیک کی لکڑی پر آتا۔ اس نے بات اتنے مستحکم دلائل سے کہی کہ قائداعظم کو اس کا بل منظور کرنا پڑا۔ یہی نہیں اُنہوں نے

اس کی راست گوئی اور مستحکم انداز کی تعریف وستائش کی اور اُن کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ نکلا کہ وہ نوجوان آگے چل کر کاروبار میں نام پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔
(مطلوب الحسن سید)

59۔علمی و تحقیقی تقریریں

بلاشبہ وہ عظیم تھے اور عظیم انسانوں میں بھی ایک نرالی شان کے مالک۔اُن کی عظمت محض خوش بیانی کی مرہون منت نہ تھی۔ دنیا میں اُن سے کہیں زیادہ خوش بیان لوگ گزرے ہیں۔ان کی عظمت تبحر علمی کا نتیجہ بھی نہیں کیونکہ وسعتِ علم اور عظمت کا جمع ہونا لازمی نہیں اور نہ ہم اُسے غیر معمولی دانائی کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں کیونکہ بعض اوقات دانا ترین لوگ بھی عظمت سے بیگانہ ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو غیر معمولی دانائی اور ذہانت، شر پسندی اور اذیت رسانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ایسے لوگوں کو عظمت کا تاج نہیں پہنایا جا سکتا۔قائداعظم کی عظمت ایسی نادر قسم کی ہے جو اُنہیں دوسرے قومی قائدین اور سیاست دانوں سے الگ حیثیت ادا کرتی ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟ بیباک صداقت۔

قائدین بالعموم فخر و مباہات سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنی لسانی قوت سے عوام کے ذہنوں کو ماؤف کر کے اُنہیں اپنا آلہ ءکار بناتے ہیں۔بعض قائدین نیک نیتی سے ایسا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عوام کو آمادہ عمل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ گویا اُن کی قیادت اس کے بغیر نا تمام ہوتی ہے۔اگر میں قائداعظم کی تقاریر اور بیانات میں بھی یہی رنگ پاتا تو بھی میری نظروں میں اُن کی عظمت کم نہ ہوتی اور نہ اُن کے خلوص پر شبہ ہوتا۔مگر جب میں اُن کی گفتگو کو اس سے خالی پاتا ہوں تو لامحالہ اُن کی عظمت کا

احساس اور بھی شدید ہو جاتا ہے اس لیے کہ حصولِ مقصد میں بھی اُنہوں نے راست بازی اور صاف گوئی سے کام لیا اور اپنی قوم کو صراطِ مستقیم پر چلا کر منزلِ مقصود تک لے گئے۔

ایک دو دن نہیں بلکہ شروع سے لے کر آخر تک کم و بیش چالیس سالہ سیاسی زندگی میں اُن کی زبان اور قلم سے ایسی ہی راست گوئی اور بے باک صداقت کا اظہار ہوتا رہا اور ان کے سارے الفاظ اسی کے سانچے میں ڈھلے نظر آتے ہیں۔ یہی خصوصیت ان کا مابہ الامتیاز ہے۔ ان کی تحریریں اور تقریریں پڑھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ کسی علمی و تحقیقی مجلس کے سامنے پیش کی گئی ہوں یا حلف اُٹھانے کے بعد عدالت میں زبان پر لائی گئی ہوں۔ قائداعظم کے بالمشافہ اور غیب میں کہے ہوئے الفاظ ان کے خطوط اور عام مجمعوں کی تقاریر سب ایک ہی روح سے سرشار ہیں۔ وہ لاکھوں عوام کو مخاطب کرتے ہیں لیکن وہ ان کو میٹھے میٹھے الفاظ سے خوش کرنے یا اُبھارنے کے بجائے ان کی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ (عباس محمود العقاد)

60۔ قدر شناس

قائداعظم جن لوگوں کے اَخلاص سے متاثر تھے اُنہیں بھی عوام پر مسلط کرنے کی اُنہوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ مثلاً جناب چندریگر کے اخلاص، وفاداری اور جذبہ ملی کے قائد حد دَرجہ قدر شناس تھے اور اُنہیں ترقی کے مواقع بھی دینا چاہتے تھے۔ وہ احمد آباد میں وکالت کرتے تھے لیکن قائداعظم کے ایماء پر بمبئی آ گئے اور صوبہ مسلم لیگ کے صدر بن گئے۔ پریکٹس بھی چمک اُٹھی۔

اس اثنا میں مسلم لیگ کے اندر ایک ترقی پسند گروپ پیدا ہو چکا تھا جو چندریگر صاحب

کی بجائے ایک نوجوان اور پُرجوش مسلم لیگی ڈاکٹر قاضی کو صدر بنانے پر تلا ہوا تھا۔
قائداعظم اگر چاہتے تو چندریگر بلا مقابلہ منتخب ہو سکتے تھے لیکن اُنہوں نے مداخلت
پسند نہیں کی۔ کوئی بیان بھی نہیں دیا۔ کوئی ہدایت نامہ نہیں شائع کیا۔ وہ خود بھی ووٹر تھے
اور بمبئی میں تشریف فرما بھی تھے لیکن ووٹ بھی خیال سے ڈالنے نہیں آئے کہ لوگ یہ
سمجھیں وہ چندریگر صاحب کی صدارت کے خواہاں ہیں۔ چندریگر صاحب نے یہ
معرکہ اپنی ذاتی خوبی اور اثر ورسوخ سے سَر کیا اور منصب صدارت پر فائز ہو گئے۔

(رئیس احمد جعفری)

61۔ آخری دن، سرکاری دن

میری کوشش یہ ہوتی کہ جہاں تک ممکن ہو میں قائداعظم کی خدمت میں نہ جاؤں اس
لیے کہ وہ جونہی مجھے دیکھتے تو اُنہیں کوئی نہ کوئی سرکاری کام یاد آ جاتا اور اس کے متعلق
گفتگو شروع کر دیتے۔ 10 ستمبر کو کوئٹہ میں اُنہوں نے مجھے طلب فرمایا اور پوچھا
:"کیا سب کچھ تیار ہے؟ فرض کرو میں آج ہی کراچی جانا چاہتا ہوں۔" کراچی پہنچ کر
قائداعظم کو ملیر کے جس مکان میں ٹھہرنا تھا وہاں کے سب انتظامات مکمل ہو چکے تھے
لیکن ہم لوگوں کا خیال تھا کہ ہم 15 ستمبر سے پہلے وہاں نہیں جائیں گے۔ میں نے
عرض کیا کہ جی ہاں۔ اس پر تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا: "جی نہیں، قائداعظم کچھ
نہیں۔" لیکن اس بات نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل
پڑے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اُن کی حالت اس قدر نازک ہے پھر بھی اُن کے دل سے
مملکت کے کاموں کا خیال نہیں جاتا۔

(فرخ امین)

62۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا سیکھو۔

سر سکندر کے انتقال کی وجہ سے اسمبلی کا ضمنی انتخاب دَرپیش تھا۔ گورنر گلانسی نے نوجوان کیپٹن شوکت حیات کو فوج سے بلا کر جلیل القدر باپ کی جگہ وزیر تو مقرر کر دیا تھا مگر اسمبلی کی ممبری کے لیے انتخابی مرحلہ میں سے گزرنا ضروری تھا۔ اس ضمنی انتخاب میں لیگ کے ٹکٹ کے لیے تین اُمیدوار تھے۔ سردار شوکت حیات، ملک محمد اکرم خاں اور سید احمد شاہ۔ ملک صاحب کو اُن کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ صوبے کی ورکنگ کمیٹی آپ کو ٹکٹ نہیں دے گی اس لیے آپ درخواست نہ دیجئے اور آزادانہ مقابلہ کیجئے چنانچہ اُنہوں نے درخواست نہ دی اور کمیٹی کے سامنے صرف دو دَرخواستیں آئیں ایک سردار شوکت حیات کی دوسری میر احمد شاہ صدر ضلع مسلم لیگ کیمبل پور (اٹک) کی۔ قائداعظم نے صدر صوبہ مسلم لیگ خان افتخار حسین کو لکھا کہ آپ کسی کو میرے پاس دہلی میں بھیج دیجئے تاکہ اس مسئلہ سے متعلق تفصیلی گفتگو ہو جائے۔ راقم الحروف کو قائداعظم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اُنہوں نے اپنی عادت کے مطابق کُرید کُرید کر تمام جزئیات معلوم کیں اور پھر سخت جرح کی تاکہ کوئی گوشہ اُن کی نظر سے مخفی نہ رَہ جائے۔ آخر میں اُنہوں نے انگریزی میں پوچھا:

"What is wrong with Ahmed Shah" (احمد شاہ میں کیا خرابی ہے؟) عرض کیا کہ اِس کے سوا کوئی خرابی نہیں کہ غریب آدمی ہیں، ورنہ لیگ کے بہت پرانے اور بے حد مخلص کارکن ہیں۔ قائداعظم نے انگریزی میں فرمایا:

"Then he is the proper man for you" (تو آپ کے لیے موزوں آدمی وُہی ہیں۔) عرض کیا پھر میں آپ کا یہ حکم نواب ممدوٹ کو پہنچا دوں۔ قائداعظم نے فرمایا: "نہیں، یہ حکم نہیں ہے۔ میں اس معاملے میں حکم نہیں دے

سکتا۔ یہ میری رائے ہے۔ فیصلہ کرنے کی مجاز تمہاری ورکنگ کمیٹی ہے۔"
عرض کیا ورکنگ کمیٹی میں زیادہ تر وزارت آدمی ہیں۔ آپ کے ارشاد سے آپ کے وفادار عنصر کو تقویت پہنچے گی۔ قائداعظم کا ایک ایک لفظ راقم الحروف کو اب تک یاد ہے۔ "نہیں، میرے بچے! میں کوئی حکم نہیں دوں گا۔ یہ میری رائے ہے حکم نہیں کہ اگر لیگ نے احمد شاہ کو ٹکٹ نہ دیا اور شوکت کو ٹکٹ دیا تو وہ گلانسی کی لیگ ہوگی۔ نوجوان ممدوٹ سے کہو کہ اُسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہیے۔" (روزنامہ نوائے وقت)

63۔ دیانت داری کا راستہ

جناب یحییٰ بختیار نے ایک موقع پر قائداعظم کو جب وہ کوئٹہ میں قیام پذیر تھے، ان کی ایسی تصویریں دکھائیں جو اُنہوں نے کھینچی تھیں تو قائداعظم نے ان سے اپنی مزید تصویریں کھینچنے کی فرمائش کی۔ یحییٰ بختیار صاحب نے کہا: "قائداعظم! میں تو کوئی اچھا فوٹوگرافر نہیں ہوں۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ میں نے آپ کی تصویریں بنائیں تھیں اُنہیں اسٹریڈ ویکلی آف انڈیا اور ڈان کو اشاعت کے لیے بھیجا تھا۔ اسٹریٹڈ ویکلی نے تو اُنہیں ناقابلِ اشاعت قرار دے کر مجھے واپس بھیج دیں لیکن ڈان نے اُن کی رَسید تک بھیجنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔" قائداعظم نے جناب یحییٰ بختیار صاحب کا عُذر مسترد فرمادیا چنانچہ دوسرے روز جناب یحییٰ بختیار صاحب اپنا کیمرہ اور فلیش لے کر قائد کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت قائداعظم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل ایک کتاب جس کے ٹائیٹل کی تصویر ایسے زاویہ سے لیں کہ کتاب کا ٹائیٹل بھی فوکس میں آسکے لیکن قائداعظم نے تصویر کھنچوانے سے پہلے یہ کتاب علیٰحدہ رَکھ دی اور یحییٰ بختیار صاحب کے اصرار پر فرمایا کہ "میں ایک مقدس کتاب کو اس قسم کی پبلسٹی

کا موضوع بنانا ناپسند کرتا ہوں''۔

قائداعظم نے اس موقع پر فرمایا کہ سیاست میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم کو عرب میں ایک طرف یہودیوں اور عیسائیوں کی مخالفت اور دوسری طرف اپنے بھائی بندوں کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی طرح اُنہیں بھی برِعظیم میں ایک طرف عیسائی حاکموں اور یہود صفت ہندوؤں اور دوسری طرف اپنوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

لیکن حضور نبی کریمؐ نے اپنی بے پناہ دیانتداری سے ایک طرف عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں اور دوسری طرف قریش کے مقابلے پر کامیابی حاصل کی تھی۔ اُسی طرح وہ بھی ایک طرف کانگریس اور انگریز کے گٹھ جوڑ اور دوسری طرف اپنوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف کامیاب ہوں گے اور اس کامیابی کی کنجی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی دیانتداری کا راستہ ہے۔ (محمد شفیع)

64۔ وزارتِ خارجہ سے بات کریں

آر ایس مہاتما کراچی کے ایک مشہور صنعت کار اور قائداعظم کے دوست تھے۔ اُنہوں نے ساحل سمندر پر اپنی بیوی کے لیے ایک مکان تعمیر کروایا تھا۔ جہاں قیامِ پاکستان کے بعد وزارتِ خارجہ کا دفتر قائم ہوا۔ مسٹر مہاتما اس مکان کو خالی کرانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں کوشش کر رہے تھے۔ 15 اگست 1947ء کو گورنر جنرل ہاؤس میں دی گئی پارٹی میں وہ بھی شریک تھے۔ قائداعظم تھوڑی دیر کے لیے باہر تشریف لائے۔ مسٹر مہاتما اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سامنے ہی کھڑے تھے۔ قائداعظم اُن سے جا کر ملے اور دو باتیں کیں۔ مسٹر مہاتما نے موقع مناسب جانا اور مہاتما پیلس کی

واگزاری کے لیے اُن سے مداخلت کرنے کو کہا۔ مسٹر مہاتما ایک بہت بڑے صنعت کار ہی نہیں تھے جن کی اس وقت پاکستان کو ضرورت تھی بلکہ قائداعظم کے دوست بھی تھے قائداعظم نے صاف جواب دے دیا کہ میں آئین اور دستور کے تحت ایسی کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔ آپ وزارتِ خارجہ سے بات کریں۔ مسٹر مہاتا نے بہت زور مارا لیکن قائداعظم کا ایک ہی جواب تھا۔ (چودھری نذیر احمد خان)

65۔ ایک، دس پر بھاری

جب لارڈ ویول کے زمانے میں شملہ میں کانگریس اور لیگ کے درمیان کسی ممکنہ سیاسی سمجھوتے کے لیے بات چیت ہو رہی تھی۔ اس وقت میں بھی حسنِ اتفاق سے شملہ گیا ہوا تھا۔ جو غیر مساوی سیاسی مقابلہ شملے کی اس کانفرنس کے موقع پر ہوا اُس جیسی نمائش پہلے نہ ہوئی تھی۔ اس نمائش کا یہ پہلو خاص طور پر قابلِ دید تھا کہ ایک طرف گاندھی جی اپنے مہاتمائی لباس میں ملبوس اور اپنے بے شمار پیروؤں کے جھمگھٹے کے ساتھ شملے میں پہنچے اور مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت صدر کانگریس تشریف لائے۔ یوپی کے وزیراعظم مسٹر پنٹ ان کے ترجمان کی حیثیت سے ہم راہ آئے۔ گاندھی کی راجکماری امرت کور کے دولت کدہ میں فروکش ہوئے۔ یہ مکان اپنے ممتاز مکین کی طرح خصوصیت رکھتا تھا یعنی وہ خاتون کھدر کے لباس میں ملبوس کیمبرج اور آکسفورڈ کی بہترین انگریزی بولتی تھی اور اس کی لباس کی سادگی کے باوجود اس کے کمرے زینت اور آرائش مشرقی اور مغربی دونوں سجاوٹوں کے نمونے موجود ہوتے تھے۔ کانگریس کی اور بڑی شخصیتیں بھی بڑی تعداد میں اس موقع کے لیے شملہ میں جمع تھیں اور وہ سب لوگ راجکماری صاحبہ کے یہاں آ کر صلاح مشورے میں شریک ہوئے۔ اس انبوہ کے مقابلہ میں

لیگ کی طرف سے قائد اعظم ہوٹل کے ایک کمرے میں متمکن تھے۔ ان کی اپنی خداداد چمک کے سوا کوئی چمک دمک کا سامان اُن کے ہمراہ نہیں تھا۔ گویا ایک دُبلا پتلا شخص، الف کی طرح سیدھا، یکہ وتنہا ایک گروہ کا سامنا کرنے پر مامور تھا۔ ایک اور چیز جو کانگریس کے حق میں پلڑا جھکانے کا باعث تھی وہ کانگرس کے پریس کی طاقت تھی۔

(شیخ عبدالقادر)

66۔ ایک عظیم فن کار

اُن میں دنیا سے، دُنیا والوں کی رائے سے، دُنیاوی علائق سے فنکاروں کی سی بے نیازی تھی اور تخلیق کے لیے جس صبر و استقلال اور مسلسل کاوش کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی موجود تھی۔ ایک بڑے فنکار کی طرح اُنہیں معلوم تھا کہ تخلیق اور شخصیت میں کتنا فرق ہونا چاہیے۔ ذاتی زندگی میں اُنہوں نے اپنے اوپر جو تنہائی مسلط کر لی تھی اس کی مثال ادب اور فلسفے کی دنیا سے باہر مل ہی نہیں سکتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُنہیں جینے کے لیے بس ایک عظیم تصور ہی کا سہارا کافی تھا۔ جب میں جناح کی ذاتی زندگی کا نقشہ ذہن میں جماتا ہوں تو ایسا نظر آتا ہے جیسے کوئی عظیم سنگ تراش بغیر تراشے اور بے ڈول مادے کو کانٹ چھانٹ کر ایک نئی اور بے مثال ہیئت تخلیق کرنے کی دُھن میں کھویا بیٹھا ہو۔ اُنہوں نے اپنی ذات کو اپنی تخلیقی جدوجہد سے اتنا علیحدہ رکھا تھا بلکہ اُسے اپنے تخلیقی جذبے میں اس طرح حل ہو جانے دیا تھا کہ ان کا کارنامہ ہی اُن کی سوانح عمری بن گیا ہے۔ ان کی زندگی میں ایسا ضبط و نظم، ایسا ٹھہراؤ، ایسا تسلسل، ایسی ہم آہنگی، ایسا نشو و نما، ایسی تدریجی عروج ہے کہ وہ بذاتِ خود ایک کلاسیکی نظم معلوم ہوتی ہے۔

67۔درویش صفت باش وکلاہِ تتری دار

قوم پر یقین اور ایمان کے علاوہ جناح میں ایک اور بات ایسی تھی جو اقبال کے سوا ہمارے زمانے کے کسی اور شاعر یا ادیب کو بھی نصیب نہیں ہوئی یعنی ایک عظیم خیال پر پورا اعتماد۔ ہندوستان ٹائمز نے تو ان کی وفات کے بعد شاید طنزاً لکھا ہے کہ ان میں ایسی قوتِ ارادی تھی جو حقیقتوں کو توڑ پھوڑ کر خوابوں کو حقیقت بنا سکتی تھی مگر اس سے زیادہ جناح کی تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔ جب اُنہیں ایک مرتبہ یقین آ گیا کہ یہ ایک عظیم خیال ہے تو پھر وہ مادی رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جناح کا شمار یقیناً انسانی تاریخ کے عظیم تصور پرستوں میں ہوگا۔ محض ایک تصور کی بنیاد پر اپنے آپ کو تخلیق کے لیے آمادہ کرنا، ایک پوری قوم کے اندر تخلیقی جذبہ اُبھارنا، نفی کی اثبات میں تبدیل کرنے کا خیال دل میں لانا۔ ان چیزوں کے لیے ایک بڑے شاعر کی شخصیت اور تخیل کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام قسم کا آدمی تو ایسے تصور کے بوجھ ہی سے پس کر رہ جاتا ہے۔ جناح کی شخصیت اور اس کے کارنامے کو شاعر کے تخیل سے بھڑکانا محض شاعری نہیں ہے۔ جناح واقعی اہلِ جذب اور اہلِ جنوں میں سے تھا۔ بس اتنا ہی تو ہے کہ وہ از خود رفتہ نہیں ہوا۔ اس نے درویش صفت باش وکلاہِ تتری دار کی سب شرائط پوری کر دیں۔ ویسے بھی دیکھئے تو بہت سے لوگ جناح کے کارنامے، پاکستان کو آج تک شاعری سمجھتے رہے۔

68۔صحیح فیصلہ اور اس پر ڈٹ جانا

جہاں تک قائداعظم کی شخصیت کا تعلق ہے مجھے سب سے زیادہ اُن کے اس پہلو نے متاثر کیا کہ آدمی ایک بات کر کے اُس پر ڈٹ جائے۔ قائداعظم کی پوری زندگی

میں جابجا یہ حقیقت بکھری ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ ایک فیصلہ کرتے اور پھر اس پر ڈٹ جاتے۔ اُن کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ہوتا اور اس پر عمل درآمد کے لیے قوت بھی وہ پوری استعمال کرتے۔ مجھے اُن کی یہ چیز بہت زیادہ پسند ہے، ''صحیح فیصلہ اور پھر اس پر ڈٹ جانا''۔ میں اپنی زندگی میں اسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اِس میں کامیابی بخشی ہے۔ (حکیم محمد سعید شہید)

69۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں

قائداعظم اور اُن کے ملٹری سیکرٹری کے درمیان صرف ایک مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا اور عرصے تک جاری رہا۔ ہندوستان اور پاکستان میں مجنونوں کی کمی نہ تھی اور اُن میں بہت سے ایسے تھے جو موقع ملنے پر کسی لیڈر کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ کرنل برنی کو اس خطرے کا احساس تھا اور اس لیے اُنہوں نے قائداعظم سے اجازت چاہی کہ گورنمنٹ ہاؤس میں ایک اُونچی دیوار اس طرح تعمیر کروائی جائے کہ جس حصے میں قائداعظم کا قیام تھا وہ بالکل الگ اور محفوظ ہو جائے۔ جب یہ تجویز پہلی دفعہ قائداعظم کی خدمت میں پیش کی گئی تو اُنہوں نے جواب دیا: ''یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ کو میری حفاظت کا اتنا خیال ہے۔ لیکن آپ نے اس سے پہلے جو گورنر جنرل دیکھے ہیں، میری حیثیت ان سے بہت مختلف ہے۔ میں اسی ملک کا باشندہ ہوں اور اسی قوم کا فرد ہوں۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں''۔

کرنل برنی اس بات سے مطمئن نہ ہوئے اور جواب دیا کہ ممکن ہے کوئی ہندو آپ پر گولی چلا دے۔ جناح نے پھر یہی جواب دیا: ''میں اپنے ملک میں، اپنی قوم کے لوگوں کے درمیان ہوں اور مجھے کسی طرح کا خطرہ نہیں اور میں بہر حال اس کو فضول

خرچی سمجھتا ہوں۔" اس آخری فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی نجی زندگی کی طرح سرکاری معاملات میں بھی وہ روپیہ خرچ کرنے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھے۔

70۔ حُسنِ بیان نہیں ، واضح بیان

عبارت آرائی اور خوبصورت الفاظ کے استعمال کا شوق محمد علی جناح کو کبھی نہ ہوا۔ اُن کی تحریر کی عبارت سادہ اور روکھی پیکھی ہے۔ ایک دفعہ وہ لیاقت علی خاں اور اپنے ایک سیکرٹری کی مدد سے ایک بیان لکھ رہے تھے۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ زبان اَدیبانہ اور فقرے خوبصورت ہوں مگر جناح ان کی کوشش سے جلد ہی تنگ آ گئے اور بولے:

"مجھے حُسنِ بیان نہیں چاہیے۔ میں صرف اپنا مافی الضمیر واضح طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔"

71۔ ان کی شامیں سیر و تفریح کے بجائے مقدمات کی تیاری میں صرف ہوتیں۔

ایک پرانے بیرسٹر نے جناح کی وکالت کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا وہ بڑے گہرے مشاہدے کا نتیجہ ہے۔ اُنہوں نے کہا: "ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جب جناح نے وکالت شروع کی تو بمبئی میں وہ واحد مسلمان بیرسٹر تھے۔ ممکن ہے کہ دو ایک اور بھی ہوں لیکن اُن میں کوئی قابلِ ذکر نہ تھا۔ وکلاء میں سے اکثر ہندو یا پارسی تھے اور شاید وہ اس بات پر خوش نہ تھے کہ مسلمان تاجروں کے خاندان کا ایک بیرسٹر اپنے کام میں ایسی غیر معمولی محنت کر رہا ہے۔ اس لیے وہ اس پر نکتہ پانچ روپے دینا اس لیے مناسب ہے کہ یہ بلندی کی نسبت بہت زیادہ ہے۔" کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اُنہیں ہمارے کردار کی تعمیر سے ذاتی دلچسپی تھی۔ (مطلوب الحسن سید)

72۔ تعلیم کے لیے عطیہ مت لو، پہلے کمالو پھر پڑھو۔

1938ء میں، میں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جانے کا قصد کیا۔ گزشتہ دو تین سال میں، میں نے بہت سا وقت طلبہ میں بیداری پیدا کرنے پر صَرف کیا تھا اور اس سے مجھے تجربہ حاصل ہوا تھا کہ لیکن میری تعلیم ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔ میں نے مسٹر جناح کو بتایا کہ میں نے ریاست حیدر آباد کی حکومت سے ایک عطیے کے لیے درخواست کی تھی تاکہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جاسکوں، مگر اُنہوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور یہ مشورہ دیا کہ مجھے اس مقصد کے لیے پہلے خود روپیہ کمانا چاہیے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ مسلم لیگ کی تاریخ پر ایک مفصل کتاب لکھ ڈالوں اور اُس کی آمدنی سے انگلستان جاکر اپنی تعلیم مکمل کروں۔ میں نے یہ تجویز مان لی۔

پھر اس کتاب کی تصنیف میں اُنہوں نے میری بہت مدد کی۔ تمام ضروری کاغذات اُنہوں نے مجھے دے دیے اور اس کام میں اپنا بہت سا وقت میرے ساتھ صرف کیا۔ اُنہوں نے جس صبر و تحمل سے میری مدد کی اس کی مجھے توقع نہ تھی۔ (محمد نعمان)

73۔ پاکستان کی مختصر ترین تعریف

جب ہم لوگ میسور سے واپس ہوئے تو موٹر سے سفر ہوا۔ قریب اَسی میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ جب آدھا راستہ طے ہوگیا تو ایک مقام پر ریلوے سٹیشن پر طے پایا کہ چائے پی جائے اور ہم سب وہیں پر اُتر گئے۔ جیسے ہم لوگوں کی موٹر کار رُکی اور قائداعظم نیچے اُترے، لوگوں نے اُن کو پہچان لیا اور مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے لگنے لگے۔ قریب ہی ایک سات آٹھ سال کا بچہ ننگ دھڑنگ کھڑا زور زور سے پاکستان زندہ باد

کہہ رہا تھا۔ قائداعظم نے اُس کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور جب وہ اُن کے قریب آیا تو اس سے پوچھا کہ ''پاکستان کے نعرے لگا رہے ہو، پاکستان کیا ہے، کچھ اس کے بارے میں جانتے ہو؟'' بچے نے کہا: ''صاحب! میں اور تو کچھ نہیں جانتا صرف اتنا معلوم ہے کہ جہاں مسلمان ہوں، وہاں مسلمانوں کی حکومت اور جہاں ہندو ہوں، وہاں ہندوؤں کی حکومت ہونی چاہیے۔ قائداعظم بولے: ''بس یہی تو پاکستان ہے۔'' پاکستان کی اس مختصر سی تعریف سے قائداعظم اِس قدر خوش ہوئے کہ اُنھوں نے ہمیشہ اپنی آئندہ تقریروں میں اس واقعہ کا ذکر کیا۔ (مطلوب الحسن سید)

74۔ اندر کام، باہر کام

جناح کی نئی کوٹھی میں اُن کا دفتر ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا جو سامنے کے پھاٹک کے قریب واقع تھا اور مکان کے رہائشی حصے سے بالکل الگ تھا۔ یہ دفتر ملنے والوں کے لیے کُھلا رہتا تھا اور محمد علی جناح کے کاغذات صاف ستھرے بستوں میں بندھے فرش پر رکھے رہتے تھے۔ یہی دفتر گویا اُن کی دنیا تھا اور اس کی میز کے کنارے اُن کی حدِ نظر تھے۔ اُن کا بیشتر وقت اسی دفتر میں گزرتا اور وہ اسی وقت اس سے نکلتے جب انہیں باہر کا دَورہ کرنا پڑتا۔ اس زمانے میں انہوں نے کئی بار ملک کے مختلف صوبوں اور علاقوں کا دَورہ کیا اور ہر جگہ عوام سے براہِ راست خطاب کیا۔ ان کے یقین کی پختگی سے ان کی تقریروں میں جان پڑ جاتی اور غیر معمولی اَثر پیدا ہو جاتا۔ دورانِ تقریر میں وہ اپنی شہادت کی اُنگلی کو بڑے مؤثر اَنداز سے استعمال کرتے۔ کبھی تنبیہ کے لیے، کبھی کسی بات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اور خاص خاص موقعوں پر وہ اپنا ایک چشمہ لگا کر اپنے اندازِ تخاطب کو زیادہ پُراثر بناتے۔ اس طرح وہ بڑے بڑے مجمعوں کو

مسحور کر لیتے اور اکثر سامعین اُن کی باتوں پر آمنا وصدقنا کہہ دیتے حالانکہ اُن میں سے بہت سے اَیسے ہوتے جو مقرر کی زبان بھی اچھی طرح نہ سمجھ سکتے۔

دَورہ ختم کر کے محمد علی جناح پھر اپنے دفتر میں جا بیٹھتے اور کام میں لگ جاتے۔

(ہیکٹر بولائیتھو)

75۔معیار سے گری ہوئی باتیں

بمبئی میں ایک دفعہ قائداعظم کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ میں نے یہ سوچ کر کہ ملک میں اطلاع پاتے ہی لاکھوں ہاتھ اُن کی طبیعت کی بحالی کے لیے اُٹھ جائیں گے' اخباروں کو اِطلاع دینا چاہی۔ مگر میں ٹیلی فون پر یہ خبر نشر کر ہی رہا تھا کہ قائداعظم نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ میں نے بغیر اُن کی اجازت کے اُن کی بیماری کی خبر کیوں شائع کی اور کہا کہ یہ بُری بات تو نہیں مگر میں یہی چاہتا ہوں کہ ہماری قوم کو فضول تشویش نہ ہو۔ کتنا فرق تھا اُن کے مزاج میں اور بعض دیگر لیڈروں کے طَور طریقوں میں۔ جب دوسروں کے متعلق چھوٹی بڑی، معمولی اور غیر معمولی خبریں شائع ہوتی تھیں تو وہ کہا کرتے تھے: ''یہ تو معیار سے گری ہوئی باتیں ہیں''۔ (مطلوب الحسن سید)

76۔سخت اور مسلسل محنت کی عادت

پچاس برس پہلے جب وہ رسل روڈ لندن کے ایک مکان میں طالب علم کی حیثیت سے رہتے تھے تو محنت اور یک جہتی میں بے مثل تھے۔ مُطالعے کے علاوہ اُنہیں کوئی کام نہ تھا اور اولیمپیا کی رنگ برنگی روشنیاں بھی اُنہیں عیش وعشرت کی طرف مائل نہ کر سکیں۔ اس کا صلہ اُنہیں بھی ملا کہ اُنہوں نے بیرسٹری کا امتحان بہت ہی کم وقت میں پاس کرلیا کسی ہندوستانی طالب علم نے اس سے کم عرصے میں بیرسٹری کی سند نہیں لی تھی۔ سخت

اور مسلسل محنت کی یہ عادت ساری عمر نہ چھوٹی اور اب چھیاسٹھ برس کی عمر میں بھی وہ جوانوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ وہ مسلم لیگ کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے تفصیلی اور پیچیدہ منصوبے تیار کرتے اور پھر ضروری ہدایات مختصر اور سیدھے سادے انداز میں لکھ کر لیگ کے کارکنوں کو بھیجتے جیسے فوج کا جنرل میدان میں اپنے ماتحت افسروں کو احکام بھیج رہا ہو۔ (ہیکٹر بولائیتھو)

77۔ اگر جناح کی طبیعت میں چھوٹا پن ہوتا

حکومتِ ہند نے ایک کمیٹی اس مقصد کے لیے مُقرر کی کہ فوج میں ہندوستانی افسروں کی بھرتی اور سینڈ ہرسٹ کے نمونے پر ایک فوجی ٹریننگ کالج کے قیام کی بابت حکومت کو مشورہ دے۔ فروری **1925**ء میں جناح بھی اس کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کمیٹی کے کام کے سلسلے میں اُنہوں نے انگلستان اور یورپ کے دوسرے مُلکوں کا دَورہ بھی کیا۔ اس دَوران سینڈ ہرسٹ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ جناح میں اُن کا پرانا تکبر اور تحکم اب بھی باقی تھا، عمر اور تجربے نے اُن کی طبیعت کی تیزی اور طراری پر کوئی اثر نہ کیا تھا۔ کمیٹی کے دورے کے سلسلے میں انتظامی اُمور ایک نوجوان افسر کپتان گریسی کے سپرد تھے جو اب جنرل ڈگلس گریسی کے نام سے مشہور ہے۔ راقم الحروف کے ساتھ ملاقات کے دوران جنرل گریسی نے بتایا: ''جو افسر کمیٹی کے وفد کے سامنے شہادت دینے آئے ان کی طرف جناح کا رویہ بڑا تحکمانہ تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی عدالت میں مخالف گواہوں پر جرح کر رہے ہیں۔ اُن کا رویہ اتنا نامناسب تھا کہ بالآخر مجھے اُنہیں ٹوکنا پڑا۔ میں نے کہا آپ کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ جو افسر کمیٹی کے سامنے پیش ہو رہے ہیں اُنہوں نے اپنی خوشی سے خدمت قبول کی ہے

تاکہ وہ کمیٹی کے کام میں مدد دے سکیں۔آپ لوگوں کو اُن سے اچھی طرح پیش آنا چاہیے اور اُن کا لحاظ کرنا چاہیے۔اس احتجاج پر جناح فوراً دھیمے پڑ گئے۔اس واقعہ کے برسوں بعد مجھے اُن سے بڑی مختلف حیثیت سے واسطہ پڑا۔لیکن اس زمانے میں بھی ان کی اس خوبی سے بہت متاثر ہوا کہ جب بھی ان کی طرف سے زیادتی ہوتی اور انہیں اس پر ٹوک دیا جاتا تو وہ فوراً اپنی غلطی محسوس کر لیتے اور پھر اپنا رویہ ٹھیک کر لیتے اور سب سے بڑی خوبی اُن میں یہ تھی کہ بات کبھی دل میں نہ رکھتے۔سینڈ ہرسٹ میں میں نے جس سختی سے اُنہیں ٹوکا تھا وہ کوئی معمولی بات نہ تھی اور اگر جناح کی طبیعت میں چھوٹا پن ہوتا تو وہ میری اس گستاخی کو کبھی معاف نہ کرتے اور اس کی تلخ یاد ساری عمر اُن کے دل میں رہتی۔لیکن وہ ایسے نہ تھے اور ان کا ذہن چیزوں سے بالاتر تھا۔ چنانچہ آزادی کے بعد جب میرا نام پاکستان فوج کی سپہ لاساری کے لیے تجویز کیا گیا تو انہوں نے تجویز منظور کر لی اور خندہ پیشانی سے میرا خیر مقدم کیا۔میں اُنہیں اچھی طرح یاد تھا لیکن اُنہوں نے کبھی کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہ کیا۔ (ہیکٹر بولائیتھو)

78۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین

میں ایک روز جناح صاحب کی کوٹھی پر صبح ہی صبح نہایت ضروری کام سے پہنچا اور ملازم کو اطلاع کرنے کو کہا۔ملازم نے کہا کہ اس وقت ہم کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔آپ تشریف رکھیں۔تھوڑی دیر میں جناح صاحب خود تشریف لے آئیں گے۔ چونکہ مجھے ضروری کام تھا اس لیے مجھے ملازم پر غصہ آیا اور میں خود کمرے میں چلا گیا۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں پھر تیسرے کمرے میں پہنچا تو برابر کمرے سے مجھے کسی کے بلک بلک کر رونے اور کچھ کہنے کی آواز آئی۔چونکہ جناح صاحب کی آواز

تھی اس لیے میں گھبرایا اور آہستہ سے پردہ اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سجدے میں پڑے ہیں اور بہت ہی بے قراری کے ساتھ دُعا مانگ رہے ہیں۔ میں دبے پاؤں وہیں سے واپس آ گیا اور اب تو بھائی جب جاتا ہوں اور ملازم کہتا ہے کہ اندر ہیں تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ سجدے میں پڑے ہوئے دُعا کر رہے ہیں۔ میرے تصور میں ہر وقت وہی تصویر اور وہی آواز رہتی ہے۔ (مولانا حسرت موہانی)

79۔ ھتک

دورانِ گفتگو میں اُنہوں نے اس بات پر زُور دیا کہ قوم کی زندگی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم میں ایک بلالحاظ مرتبہ وحیثیت خود کو قوم کے مفاد کا نگہباں ومحافظ سمجھیں اور اگر کسی کو ایسی حرکت کا مرتکب پائیں جس سے قوم یا ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو اپنے آرام وسہولت کو نظر انداز کر کے مرتکب کی گردن پکڑ لیں۔ اس ضمن میں اُنہوں نے اپنا ایک واقعہ بھی بیان کیا۔

”مدتوں پہلے کی بات ہے میں ایک دفعہ سفر کر رہا تھا۔ اُن دنوں بہت کم لوگ مجھے جانتے تھے۔ میں نے درجہ اوّل کا ٹکٹ خریدا مگر سہواً ملازم کے پاس رہ گیا۔ جب میں منزلِ مقصود پر گاڑی سے اُترا اور مجھے ٹکٹ نوکر کے پاس چھوڑ آنے کا اَحساس ہوا تو میں ٹکٹ کلکٹر کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ میں اس طرح ٹکٹ بھول آیا ہوں۔ تم مجھ سے کرایہ وصول کر لو۔ میں خریدے ہوئے ٹکٹ کے دَاموں کی واپسی کا مطالبہ کر لوں گا۔ ٹکٹ کلکٹر نے کہا کہ تم مجھے دو روپے دو دے اور چلے جاؤ۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں وہیں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: ’تم نے میری ہتک کی ہے۔ اپنا نام اور پتہ بتلاؤ‘ لوگ جمع ہو گئے۔ اُن میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کئی ایک نے مجھے پر فقرے بھی

چست کیے۔ مگر میں وہاں سے نہ ہٹا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسافروں کو لوٹنے والا بابو برخاست ہوگیا۔" (عزیز احمد)

80۔ قانون کا احترام

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبا نے جب ایک شام قائداعظم سے اپنے چند اُستادوں کے خلاف شکایت کی تو قائداعظم نے اُنہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم دوسروں پر اس وقت تک نکتہ چینی نہیں کر سکتے جب تک خود قانون کا احترام نہ سیکھو۔"

(ہیکٹر بولائیتھو)

81۔ ماؤنٹ بیٹن کا غصہ

ماؤنٹ بیٹن کے جذبات کس قدر شدید تھے اس کا اندازہ مجھے اُس وقت ہوا جب ایک روز وہ وائسرائے ہاؤس کے اس کمرے میں داخل ہوا جس میں قائداعظم لیاقت علی خاں اور میرے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اس نے قائداعظم پر دلائل، پُرجوش التجاؤں اور دھمکیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ایک ہنگامے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس نے کہا: "مشترک گورنر جنرل کی تجویز اعلیٰ ترین محرکات پر مبنی ہے، اور پاکستان کے بہترین مفاد میں ہے۔ مشترک گورنر جنرل کے بغیر پاکستان سنگین نقصانات سے دو چار ہوگا۔ پاکستان کے حقوق کے حصول میں مجھے بڑی دشواری پیش آ رہی ہے جب تک مجھے یہ خبر نہ ہو کہ 15 اگست کے بعد بھی تقسیم سے پہلے کے مقام پر فائز رہوں گا، پاکستان کی مدد نہ کر سکوں گا۔ پاکستان کے لامحدود نقصان کی ذمہ داری جناح کے کندھوں پر ہوگی۔ اُس نے دھمکی دی: "میں سارے معاملے کو پبلک میں لے آؤں گا تاکہ دنیا خود فیصلہ کر لے۔" اس نے بڑے یقین سے کہا: "تاریخ کا فیصلہ میرے حق

میں اور جناح کے خلاف ہوگا۔" وہ بار بار کہتا رہا کہ یہ بات بے حد حیران کن ہے کہ مشترک گورنر بنانے پر اعتراض کانگریس نے نہیں، پاکستان نے کیا۔ جناح نے ماؤنٹ بیٹن کے تابڑ توڑ حملے بڑے وقار اور صبر و تحمل سے برداشت کیے اور جواب میں بس اتنا کہا: "اس فیصلے کے پیچھے کوئی شخص، محرک کارفرما نہیں بلکہ اپنی قوم کے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مثبت قدم اُٹھایا ہے۔" قائداعظم نے موئنٹ بیٹن کو یقین دلایا کہ: "مجھے تمہارے اخلاص اور غیر جانبداری پر پورا یقین اور اعتماد ہے، اور اپنی تجویز پھر پیش کی کہ ماؤنٹ بیٹن کو سُپر گورنر جنرل بنا دیا جائے لیکن قائداعظم کی طرف سے یقین و اعتماد کا یہ اظہار ماؤنٹ بیٹن کی مجروح خود پسندی پر تسکین کا کوئی سبب نہ بنا۔ اس کے بعد تقسیم کے مسائل اور پاکستان کے متعلق اس کے طرزِ عمل میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ اس نے ماضی میں جناح کو بڑی مشکل سے گوارا کیا تھا، اب وہ اعلانیہ دشمنی پر اُتر آیا۔ (چودھری محمد علی)

82۔ غیر معروف وکیل کا رُعب

1903ء کا ایک ایسا واقعہ جب کہ وہ ابھی غیر معروف وکیل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے اُن کے لیے کافی اہم ثابت ہوا۔ بمبئی ہائیکورٹ میں کسی بہت بڑے مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی۔ کمرہ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا حتیٰ کہ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے پریزیڈنٹ مسٹر میکڈانلڈ کو بھی جگہ نہ ملنے کی وجہ سے وکیلوں کی مخصوص جگہ میں ایک کرسی پر بیٹھنا پڑا۔ ظاہر ہے ان دنوں انگریز افسروں کا بڑا رُعب اور دَبدبہ تھا۔ مسٹر جناح جب آئے تو کہیں جگہ نہ پا کر سیدھے مسٹر میکڈانلڈ کے پاس پہنچے اور اُن سے کرسی خالی کرنے کو کہا۔ اُن کے انکار پر جناح بہت برہم ہوئے اور عدالت سے مسٹر میکڈانلڈ کو

وکیلوں کی مخصوص جگہ سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ وہ بے چارہ بہت پریشان ہوا۔ اُس کی ہچکچاہٹ دیکھی تو آپ نے کہا کہ اگر تم نے مسٹر میکڈانلڈ کو جگہ خالی کرنے کے لیے نہ کہا تو میں جج سے تمہاری شکایت کر دوں گا۔ وہ بے چارہ مجبوراً مسٹر میکڈانلڈ کے سامنے حاضر ہوا اور اُنہیں جگہ خالی کرنا پڑی۔ اُٹھتے ہوئے اُنہوں نے مسٹر جناح کا نام پوچھا اور اُن سے اتنا متاثر ہوئے کہ ان کو ایک ہزار روپیہ ماہوار پر کارپوریشن کا قانونی مشیر مقرر کر لیا اور ساتھ ہی پرائیویٹ پریکٹس کی اجازت بھی دی۔

۸۴۔

ٹائمز آف انڈیا کے ایک ایڈیٹر نے بے اُصولی کی بدترین مثال پیش کرتے ہوئے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف انتہائی توہین آمیز اداریہ لکھا تھا۔ عریبک کالج کے ایک جلسے میں قائداعظم کی نظر اس ایڈیٹر پر پڑ گئی۔ اُنہوں نے جلسہ گاہ میں داخل ہوتے ہی اس ایڈیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”آپ باہر تشریف لے جایئے۔ میں مسلم لیگ کے جلسے میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھنا چاہتا جس کا کوئی اُصول نہ ہو۔“ (محمد حنیف آزاد)

83۔غریب قوم کے کارکن

پیرزادہ محمد ذکاء اللہ مرحوم و مغفور نے جو تقسیم سے پہلے شملے کے ایک سرگرم مسلم لیگی کارکن تھے، مجھ سے فرمایا کہ جب قائداعظم نے 1937ء میں مسلم لیگ کی تحریک شروع کی تو اُن کے ساتھ بہت کم لوگ تھے مجھے خیال ہوا کہ کچھ ایسے آدمیوں کو مسلم لیگ میں لانا چاہیے جو عوام کے مجمعوں میں تقریر کرنے کے عادی ہوں۔ ایک عرصے کی کوشش کے بعد میں نے ایک مشہور و مقتدر غیر مسلم لیگی مسلمان کو مسلم لیگ میں

داخل ہونے پر راضی کر لیا۔ مگر شرط یہ تھی کہ لیگ ان کے گزارے کے لیے سو روپے ماہوار اُنہیں دیا کرے۔ میرا خیال تھا کہ اُنہوں نے اِس قدر کم رَقم مانگنے میں بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ خوشی خوشی جناح صاحب کے پاس پہنچا اور کہا کہ دیکھئے قسمت نے یاوری کی ہے اور ایک مشہور و معروف کانگریس کارکن جو ایک خوش بیان مقرر بھی ہے مسلم لیگ میں آنے کو تیار ہے بشرطیکہ ہم اُس کے لیے فقط سو روپے ماہانہ کا بندوبست کر دیں۔ اب آپ اجازت دیں تو معاملہ فوراً طے ہو جائے اور اگر ضروری ہوا تو ہم لوگ اس رقم کا بار لیگ کے مرکزی فنڈ پر نہیں ڈالیں گے۔ خود ہی انتظام کر لیں گے۔ آپ کے کہنے کی دیر ہے۔ پیرزادہ صاحب کا بیان ہے کہ قائداعظم میری بات سن کر مطلقاً خوش نہیں ہوئے بلکہ بلاتوقف کہہ دیا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اس تجویز سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ جناب عالیٰ میں نے تو سمجھا تھا کہ میں ایک اہم مژدہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور آپ میری تجویز کا خیر مقدم کریں گے۔ آخر آپ کے پاس کارکن ہیں ہی کتنے اور ان میں سے بھی کتنے ایسے ہیں جو عام مسلمانوں پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ جناح صاحب نے کہا: ''دیکھو میاں! تمہاری تجویز کو میں اس لیے منظور نہیں کر سکتا کہ یہ کام مسلمانوں کا اپنا کام ہے اور اسے کرنے کے لیے کسی مسلمان کو رشوت دینا میرے نزدیک قطعاً ناجائز ہے۔''

اگر آپ کے دوست واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہیں مسلم لیگ میں آکر کام کرنا چاہیے تو اس کے لیے شرطیں ٹھہرانا کیا معنی۔ دوسرے ہم ایک غریب قوم ہیں آپ کے دوست ہم سے صرف ایک سو روپیہ مانگتے ہیں۔ اگر ہم ان کی شرط منظور بھی کر لیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہم سے زیادہ مال دار قومیں اُنہیں اس سے زیادہ رقم دے کر دوبارہ ہم

سے نہیں چھڑالیں گے۔ تم ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر وہ آ کر ہم میں شامل ہو جائیں گے تو ہم دل و جان سے ان کا استقبال کریں گے۔ جو رُوکھی سُوکھی ہمیں میسر ہے اس میں وہ بھی ہمارے حصہ دار ہوں گے۔ لیکن اگر وہ پیشگی کوئی شرط کرنا چاہتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صاحب مسلم لیگ کا کام کرنے کو تیار نہیں ہوئے۔ (ممتاز حسن)

84۔ انگلستان کا واقعہ

وہ جب بھی بمبئی آتے ہمارے پاس ٹھہرتے اور فرصت کے اوقات میں اپنے اس دور کے واقعات سناتے جب وہ انگلستان میں تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ کرسمس کے موقع پر طلبہ و طالبات میں ایک کھیل کھیلا جا رہا تھا جس میں جیتنے والے لڑکے یا لڑکی کو دوسرے ساتھیوں کی فرمائش پوری کرنی تھی۔ قائداعظم جب جیت گئے تو ساتھیوں نے فرمائش کی کہ آپ فلاں لڑکی کا ہاتھ تھام کر رقص کریں۔ لیکن قائداعظم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: ''میں اپنی ہونے والی بیوی کے سوا نہ کسی اور لڑکی کا ہاتھ تھاموں گا اور نہ ہی اس کے ساتھ رقص کروں گا۔''

قائداعظم ہمیشہ اپنی بات کے دُھنی رہے اور جو کہا اُس پر عمل کر کے دکھایا۔ چنانچہ وہ زندگی بھر اپنی اس بات پر عمل پیرا رہے۔ (بیگم نصرت عبداللہ ہارون)

85۔ اب ہندوستان غلام نہیں رہ سکتا

دسمبر 1920ء میں کانگریس کا تاریخی اجلاس بڑے جوش و خروش کے ساتھ ناگپور میں منعقد ہوا۔ اس میں شرکت کروانے مندوبین کی تعداد تقریباً پندرہ ہزار تھی۔ اُن میں سے 1050 مسلمان تھے۔ مردوں کے علاوہ 169 خواتین بھی شریک تھیں۔ کرنل

وتیج وڈ ، ہالفورڈ نائٹ اروبین سپور لیبر پارٹی کے نمائندوں کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ مسٹر سی آرداس اپنے ساتھ 250 جوانوں کا دستہ اس لیے لے کر آئے تھے کہ وہ قرار دادِ عدم تعاون کی ڈٹ کر مخالفت کریں گے۔ یہ اجلاس گاندھی کی بہت بڑی ذاتی فتح تھی۔ اجلاس کے صدر وجے راگھوآچاری قرارداد کے متلعق سرد مہری کا رَویہ رکھنے کے باوجود نرم دلی سے گاندھی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ قرارداد پیش ہونے سے پہلے داس اور لاجپت رائے جیسے کٹر مخالف بھی نہ صرف متفق ہو گئے بلکہ ایک نے یہ قرارداد پیش کی اور دوسرے نے اُس کی تائید کی۔ جب قرارداد کھلے اجلاس میں پیش ہوئی تو فضا یک لخت بدل گئی۔ پچاس ہزار سامعین نے بیک آواز اسے منظور کیا۔ اتنے بڑے ہجوم میں صرف ایک دُبلا پتلا اور لمبا تڑنگا جوان ایسا نکلا جس نے انتہائی جرأت سے کام لے کر قرارداد سے اختلاف کا اظہار کیا۔ یہ جوان محمد علی جناح تھا۔ اس کی جسارت پر پورا مجمع ششدر رہ گیا۔ کرنل وتیج وڈ نے اُس بے باکی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''اس جوان کی جرأت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اب ہندوستان غلام نہیں رہ سکتا کیونکہ اس میں کم از کم ایک فرد تو ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اتنے بڑے ہجوم کے سامنے، جسے آدمی دیکھ کر گھبرا جائے اتنی دلیری سے اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔

(مطلوب الحسن سید)

86۔ غیر شائستہ الفاظ کا جواب

وہ وکلاء کے پیشے کی عظمت و فخر کے بہت بڑے حامی تھے۔ اُس زمانے میں بہت سے جج انگریز ہوا کرتے تھے۔ اُن میں سے اکثر وکلاء کے لیے اور خاص طور پر ہندوستانی وکلاء کے لیے شائستہ الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ بہت سے وکلاء غیر شائستہ الفاظ

سُن کر اپنا غصہ پی جاتے تھے لیکن جناب جناح ایسی کسی بات کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک خود پسند انگریز جج نے جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا ان سے کہا: ''جناح صاحب! اِس بات کا خیال رکھیے کہ آپ کسی تیسرے درجہ کے مجسٹریٹ سے خطاب نہیں کر رہے ہیں''۔ جناح صاحب نے فوراً ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا: ''جنابِ والا! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو خبردار کر دوں کہ آپ بھی کسی تیسرے درجے کے وکیل سے مخاطب نہیں ہیں''۔

87۔ تشکیلِ وزارت کی اجازت نہیں ملی۔

1935ء کے انتخابات میں کانگریس نے ہندو اکثریت کے صوبے سرحد میں بھی اکثریت حاصل کر لی۔ لیکن وزارت سازی کا مرحلہ آیا تو گورنر کے اختیارات کے بارے میں حکومت اور کانگریس ہائی کمان کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس پر کانگریس نے وزارت سازی سے انکار کر دیا۔ دستور کی رو سے گورنر کو یہ حق حاصل تھا کہ دوسری پارٹی کو تشکیلِ وزارت کی دعوت دے۔

دوسرے کئی صوبوں کی طرح بمبئی میں بھی دوسری بڑی پارٹی مسلم لیگ تھی۔ اس لیے گورنر نے مسلم لیگ کے لیڈر سر علی محمد خاں کو وزارت سازی کی دعوت دی، سر محمد علی خاں اس دعوت پر بہت خوش ہوئے۔ کانگریس کو زک دینے اور چڑانے کا اس سے بہتر موقع اور کب مل سکتا تھا۔ وہ فوراً قائداعظم کے پاس پہنچے اور ان سے مشورہ چاہا۔ قائداعظم نے پوچھا: ''تمہاری کیا رائے ہے؟'' سر علی محمد خاں نے خوشی کے ساتھ جواب دیا: ''ہمیں یہ دعوت قبول کر لینی چاہیے''۔ ''کیا تمہیں اسمبلی میں اکثریت حاصل ہے؟'' قائداعظم نے دوسرا سوال کیا۔ 'جی نہیں، وہ کانگریس کو حاصل ہے'

قائداعظم نے قدرے تلخ اور گونج دار آواز میں فرمایا: ''اگر کل حکومت اور کانگریس میں مفاہمت ہوگئی اور وہ ہو کر رہے گی تو تمہاری کیا پوزیشن ہوگی ، کیا تمہیں ذلیل ہو کر وزارت نہیں توڑنی پڑے گی۔ کیا تم کانگریس کے لیے جگہ خالی کرنے پر مجبور نہ ہو جاؤ گے۔ ایسا نہ ہوا تو تحریک عدم تعاون کا مقابلہ کرسکو گے؟''

88۔ بھانجے کو نصیحت

قائداعظم کے بھانجے بیرسٹر پیر بھائی بمبئی میں وکالت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آئے۔ قائداعظم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کب تک ٹھہرو گے؟ پیر بھائی بولے میں کراچی میں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ قائداعظم نے کہا میری قرابت داری کی وجہ سے تمہاری اہلیت اور ہماری ضرورت کے باوجود یہاں تمہیں کوئی عہدہ نہیں دیا جاسکتا۔ پیر بھائی نے کہا: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ملازمت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ الگ تھلگ وکالت کروں گا۔ قائداعظم نے کہا: ''مجھے معلوم ہے تم اچھے وکیل ہو لیکن میرے احترام کی وجہ سے اہلِ مقدمہ اور عدالتوں کا تمہارے حق میں رُجوع خارج از امکان نہیں۔ لہٰذا میں تمہیں وکالت کا مشورہ نہیں دے سکتا۔'' پیر بھائی ماموں جان کی مشفقانہ نصیحت سُن کر بمبئی واپس چلے گئے۔ اُنہوں نے وکالت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اب اُن کا انتقال ہو چکا ہے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا میں مجاہدِ دکن محمد قاسم رضوی کا مقدمہ آپ نے لڑا تھا۔

89۔ فضل حسین کو التجا

مسلم لیگ کی تنظیمِ جدید شروع ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ قائداعظم زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو پرانی رنجشوں اور رقابتوں کو بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے

میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے تھے کہ 1936ء میں مسلم لیگ کی آئندہ صدارت کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلمانوں کی سیاست میں صوبہ پنجاب کا مقام سب سے منفرد تھا اور پنجاب کے مسلمانوں میں فضل حسین کی انتظامی صلاحیتوں اور قابلیت کا بڑا احترام تھا، لہٰذا اتحاد بین المسلمین کو مزید تقویت دینے کے لیے آپ نے فضل حسین کو دعوت دی کہ مسلم لیگ کی صدارت قبول کر لے۔ آپ نے نہایت محبت بھرے خط میں وضاحت کی کہ تاریخ اس نازک موڑ پر مسلمانانِ ہند کو جس اُولوالعزم قیادت کی ضرورت ہے اس کے لیے ہم سب کی نگاہیں آپ کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اس لیے میری اس پیش کش کو ایک پُر خلوص التجا سمجھ کر قبول فرمایئے گا۔ فضل حسین نے اس پیش کش کا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ یہ اُس کی اپنی ذمہ داری تھی لیکن صدارتوں اور عہدوں کی خاطر سیاسی جماعتوں بالخصوص مسلم لیگ کی تقسیم در تقسیم کرنے والے سیاست دانوں کے لیے فضل حسین کے نام قائداعظم کا 5 جنوری 1936ء کا خط اپنی جگہ پر ایک فکر انگیز دستاویز ہے۔

90۔ مردِ مومن

قائداعظم کے کردار کا نمایاں ترین نقش یہ تھا کہ وہ نہایت دیانت دار تھے اور اُنہوں نے کبھی ایسی بات نہ کہی جس پر اُنہیں خود اعتبار نہیں تھا۔ اُنہوں نے بڑے سے بڑے لالچ کو ٹھکرا دیا لیکن اپنے مسلک سے نہ ہٹے۔ وہ اپنی قوم سے بھی دیانت دار تھے اور اپنے دشمن سے بھی۔ ہندوؤں کے رہنما مہاتما گاندھی نے رُوحانیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن عمل میں ریاکاری کی تصویر تھے اور عوام کا من موہنے کے لیے کئی قسم کے کرتب کھیلتے تھے۔ پہنتے لنگوٹی تھے، رہتے آشرم میں تھے لیکن غذا ایسی کھاتے تھے جن کا تصور

لنگوٹی پہننے والے غریب عوام خواب میں بھی نہیں کر سکتے۔ قائداعظم ایسی کسی لغویت کے قائل نہیں تھے۔ وہاں جو آواز آتی تھی، اندر ہی سے آتی تھی۔ آوازیں کبھی مختلف نہیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ قائداعظم کا اندر باہر یکساں تھا۔ (ڈاکٹر عبدالسلام خورشید)

91۔ آئینی جد وجہد

قائداعظم کے کردار کا ایک پہلو یہ تھا کہ اُنہوں نے آئین وقانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی جد وجہد کی۔ گاندھی جی تمام عمر قانون شکنی کی تحریکیں چلاتے رہے۔ ہزار ہا لوگ جیلوں میں گئے۔ ان کے کنبے الگ صعوبتیں جھیلتے رہے۔ یہ تحریکیں زیادہ تر ناکام رہیں اور ان سے ہندو عوام میں احساسِ شکست پیدا ہوتا رہا۔ قائداعظم جانتے تھے کہ ہندو قوم اُمیر ہے وہ ایسے صدمے برداشت کر سکتی ہے لیکن مسلمان قوم غریب ہے۔ اگر اُسے پے در پے آزمائش کی بھٹی میں ڈالا گیا تو اُس کی معاشی حالت اور پست ہو جائے گی۔ دوسرے ہندو عدم تشدد یا بغاوت کو اپنا سکتے ہیں۔ مسلمان اس منافقت کے قائل نہیں۔ ان پر اجنبی راج کی پولیس ڈنڈا چلائے گی تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے، اور ایک غیر مسلح قوم کب تک برطانوی سامراج کی پولیس اور فوج کا مقابلہ کر سکے گی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ قانون شکنی کی تحریکیں شدید نظم وضبط کے بغیر نہیں چل سکتیں اور مسلمان ابھی اچھی طرح منظّم نہیں ہوئے تھے۔ ان وجوہ کی بناء پر قائداعظم نے تحریک پاکستان کو آئین وقانون کی حدود کے اُندر رکھا اور صرف اس وقت باہر لائے جب لوہا گرم تھا بس ایک چوٹ کی کسر تھی۔ (ڈاکٹر عبدالسلام خورشید)

92۔ سیاستدان تانگے والے کا مشورہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ قائداعظم کو ایک خط آگرہ سے وُصول ہوا۔ یہ لمبے کاغذوں پر لکھا

ہوا چھ صفحے کا خط تھا اور سطریں بہت قریب قریب تھیں۔ خط اُردو میں تھا۔ قائداعظم نے پہلے تو خط پڑھوا کر سنا اور جب میں نے اُن کو بتایا کہ راقم ایک تانگہ چلانے والا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا: ''کمال ہے اتنی سوجھ بوجھ ہے اس آدمی کو سیاست میں''۔ جب چھ صفحے ختم ہو گئے تو میں نے آخر کا لکھا ہوا جملہ پڑھ کر سنایا۔ وہ جملہ یہ تھا ''قائداعظم اب میرے پاس ایک سواری آگئی ہے لہٰذا باقی خط کل لکھوں گا۔ آپ انتظار کریں''۔

قائداعظم اس پر بہت ہنسے اور کہا کہ اچھا اس خط کا انگریزی میں ترجمہ کر کے مجھے دے دو، جو میں نے کر دیا۔ دوسرے روز حسبِ وعدہ اس تانگے والے کا بقیہ مضمون وصول ہو گیا اور تعجب کی بات یہ ہے دونوں خطوط میں بڑا ربط معلوم ہوتا تھا۔ اس خط کی اہمیت اس طرح معلوم ہو سکتی تھی کہ قائداعظم نے اپنی اسمبلی کی تقریر میں اسے استعمال کیا اور اس طرح وہ خط بڑا مشہور ہوا اور مُدتوں اس تانگہ والے کے پتے کی تلاش رہی تاکہ وہ اس کا شکریہ ادا کریں کیونکہ اس نے سوائے آگرہ کے اپنے خط کے سرورق پر پتہ تحریر نہیں کیا تھا۔ یہ ایک مثال ہے اُن لوگوں کے لیے جو یہ کہتے ہیں کہ قائداعظم کو مشورہ سے نفرت تھی۔ (مطلوب الحسن سید)

93۔ غلط افواہ

جدو جہدِ پاکستان کے لیے قائداعظم نے اپنی قوم سے چندے کی اپیل کی۔ مسلمانوں نے قائداعظم کے اس حکم پر عمل کرنا اپنا فرضِ اولیں تصور کیا اور ہر غریب و امیر نے اپنی بساط کے مطابق اور قومی جذبہ کے تحت چندہ ارسال کیا۔ چندہ کی رقم براہِ راست قائداعظم کو ارسال کرنی اپیل کی گئی تھی۔ والد مرحوم نے جو دوران سخت علیل

تھے، اپنے رہنما کے اس حکم پر لبیک کہتے ہوئے کچھ رقم مختص کی اور مجھے حکم دیا کہ میں قائداعظم کو براہِ راست منی آرڈر کردوں اس وقت ایک ہندو کانگریسی لیڈر (جو کہ بھارت کی لوک سبھا کا رُکن رہ چکا تھا) والد صاحب کی مزاج پرسی کے لیے ہمارے ہاں آیا ہوا تھا۔ اُس نے سنا کہ والد صاحب قائداعظم کو 125 روپے کی رقم کا منی آرڈر براہِ راست بھیج رہے ہیں تو اُس نے طنزیہ کہا: ''جناح صاحب کے پاس اتنا وقت کہاں کہ معمولی رقم کے منی آرڈر پر دستخط کرتے پھریں اور پھر وہ تو ایک مغرور انسان ہے اور ایک لارڈ کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں البتہ نوابوں اور ان لوگوں کے منی آرڈر پر یقیناً دستخط کریں گے جو اُنہیں ہزاروں اور لاکھوں کی رقم بھیجیں گے۔''

میں نے اس ہندو لیڈر کی باتوں کا کوئی اَثر نہ لیا اور چپکے سے موچی دروازہ کے ڈاک خانے میں قائداعظم کے نام مبلغ 125 روپے کی قلیل رقم منی آرڈر کرآیا چند روز بعد منی آرڈر کی رسید آگئی۔ یہ دیکھ میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ رسید پر قائداعظم کے دستخط تھے جو کہ لفظ ''ایم اے جناح'' پر مشتمل تھے۔ اس وقت مجھے متعصب ہندو لیڈر کی باتوں پر غصہ آیا اور میں نے سوچا کہ دشمن لوگوں نے میرے محبوب رہنما متعلق کس قسم کی غلط افواہیں پھیلا رکھی ہیں۔

94۔ ایک تحفہ

ایک دلچسپ بات جو میں نے مرحوم سے سنی، سُنانے کے قابل ہے۔ 1943ء میں مجھے کوئٹہ جانے کا اتفاق ہوا۔ قائداعظم بھی اُن دنوں وہاں مقیم تھے اور ان کے اعزاز میں پارٹیاں اور جلسے ہو رہے تھے۔ ایک دن ایک چائے کی پارٹی ہو رہی تھی۔ میں قائداعظم والی میز پر تھا۔ وہاں کچھ ذکر اُن ملاقاتوں کا آگیا جو اس سے پہلے قائداعظم

اور لارڈ لنلتھ گو وائسرائے ہند میں ہوتی رہی تھیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ ایک دن وائسرائے نے اُن سے یہ کہا کہ اگر وہ یہ ضد چھوڑ دیں کہ پاکستان بننا چاہیے اور مسلمان علیحدہ قوم تسلیم کیے جانے چاہئیں تو وہ فریقِ ثانی کو مائل کر سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو بہت سی مراعات دے۔ قائداعظم نے کہا کہ اس کا جواب وہ آئندہ ملاقات میں دیں گے۔ جب چند روز بعد پھر اُن کی ملاقات کا دن آیا تو قائداعظم ایک چیز اپنی جیب میں ڈال کر وائسرائے کے ہاں گئے۔ وہ چیز تھی پاکستان کا نقشہ جس میں وہ صُوبہ جات جن میں مسلمانوں کی آبادی کی اکثریت سے تھی سبز رنگ میں دکھائے گئے تھے۔ یہ نقشہ ایک گیارہ سال کی لڑکی نے ریشمی رومال پر سوزن کاری سے کاڑھا تھا۔ قائداعظم نے وائسرائے کو بتایا کہ وہ لڑکی ایک پرانی وضع کے مُسلمان گھر میں روہیل کھنڈ میں پیدا ہوئی۔ گھر میں پردہ کی سخت پابندی تھی اس لیے یہ لڑکی کسی مدرسے میں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجی گئی۔ اُس نے نہایت محنت سے یہ نقشہ بنایا اور اس کی آرزو تھی کہ یہ نقشہ خود قائداعظم کی خدمت میں پیش کرے۔ جب قائداعظم دَورہ کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے جہاں یہ لڑکی رہتی تھی تو اُس کا باپ قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے یہ درخواست کی کہ وہ کچھ وقت نکال کر اُن کے ہاں چلیں جہاں یہ لڑکی یہ تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہے۔ قائداعظم نے باوجود کثرتِ مصروفیات کے اس لڑکی کی درخواست کو منظور کر لیا اور اس کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں اس کے ہاتھ سے تحفہ قبول کیا اور اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔ جب اُنہوں نے یہ نقشہ وائسرائے کو دکھایا تو بنانے والی کی دستکاری کی تعریف کرنے لگا۔ قائداعظم نے جب اس لڑکی کی عمر بتائی اور اس کو گھریلو زندگی کا حال سنایا تو اسے بہت

تعجب ہوا تو اس پر قائداعظم نے وائسرائے سے کہا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں لوگوں کو سکھاتا ہوں کہ وہ پاکستان مانگیں۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ یہ خیال اُس وقت کے نوخیز طبقے کے رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے اور میں جب اس پر زور دیتا ہوں تو فقط اپنی قوم کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہوں۔ قائداعظم فرماتے تھے کہ لارڈ لنلتھ گو اِس نقشے سے بہت متاثر ہوئے اور اُن پر واضح ہو گیا کہ پاکستان کا تخیل پردہ والی عورتوں اور چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دِلوں میں پہنچ گیا ہے اور اب یہ خیال بدلا نہیں جا سکتا۔

(سر عبدالقادر)

95۔ قائداعظم کی ڈائری

اپنے عملے کے ساتھ جناح کے تعلقات اُن کے اپنے مزاج اور کردار کے آئینہ دار تھے کام کے معاملے میں وہ سخت تھے لیکن نوجوان اُن کے عملے میں کام کرتے تھے وہ بھی بڑے مخلص اور جانثار تھے ان کے کردار پر جناح کی بے مثال دیانت داری کا بہت اچھا اثر پڑا۔ ذیل کا واقعہ جو قائداعظم کے عملے کے ایک رُکن نے خود بیان کیا اس اثر کی اچھی مثال ہے۔

''قائداعظم ہمیشہ خاموش اور الگ الگ رہتے۔ باوجود میری کوشش کے وہ کبھی مجھ سے بے تکلف نہ ہوئے۔ یہ بات مجھے ناگوار گزری اور میں یہ جاننے کے لیے بے چین رہتا کہ اُن کے دل میں کیا ہے اور وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ وہ کوئی باقاعدہ روزنامہ نہیں رکھتے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک چھوٹی سی کاپی ہے کس میں وہ کبھی کبھی لکھتے ہیں۔ یہ کاپی وہ اپنے دراز میں مقفل رکھتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے وہ مجھے میز پر پڑی مل گئی اور چونکہ اس وقت میں تنہا تھا۔ میں نے اس کی ورق

گردانی شروع کر دی۔ میں نے سوچا کہ اس چھوٹی سی کتاب میں مجھے ان خیالات و واردات کا سراغ مل جائے گا جن کا وہ کبھی کسی سے اظہار نہ کرتے تھے۔ یہ سوچ کر میں نے کاپی چُرا لی اور اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہاں میں نے دو گھنٹے اسے اپنے پاس رکھا۔ پھر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کرنا شروع کیا۔ جناح جیسے دیانت دار انسان کو دھوکہ دے کر کوئی شخص کبھی مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ بالآخر میں کتاب واپس لے گیا اور جہاں سے اُٹھائی تھی وہیں رکھ دی۔" (ہیکٹر بولائیتھو)

96۔ کمزور طبیعت کا فوجی

ایک بار ایک جگہ اُن کی دعوت تھی۔ صاحبِ خانہ کے فرزند فوج میں ملازم تھے۔ کھانے کے دوران اُن کے صاحبزادے نے قائداعظم سے پوچھا: "کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پاکستان اقتصادی طور پر خود کفیل نہ ہو سکے گا۔" قائداعظم نے پلٹ کو ان سے سوال کیا: "آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ اس غیر متوقع سوال سے کچھ گھبرا گئے۔ اُنہوں نے کہا: "میں کہہ سکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ چونکہ قائداعظم اسے ممکن سمجھتے ہیں اس لیے یہ ممکن ہوگا۔" اس جواب پر قائداعظم کا رنگ سُرخ ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا: "یہ بات غلط ہے۔ میرے ممکن سمجھنے سے آپ کو کیا۔ آپ کو اپنی رائے دینا چاہیے۔ اگر میری فوج ہوئی تو میں آپ کی سی کمزور طبیعت کے آدمی کو اس میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔"

(مطلوب الحسن سید)

97۔ اخبار نویس اور قائداعظم

جناح نے عوام کو خوش کرنے اور اُن میں ہردلعزیز بننے کا گُر کبھی نہ سیکھا۔ ان کے دل میں ہردلعزیزی کی کوئی قدر نہ تھی اور نہ وہ اس کے لطف سے آشنا تھے۔ اخباری

نمائندوں کے ساتھ اُن کا رویہ اکثر اہانت آمیز ہوتا اور بمبئی کے اخباری دفتروں میں اس سلسلے میں بہت سے دلچسپ واقعات سننے میں آیا کرتے۔ تاہم اخبار نویس قائد کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک پرانے صحافی نے اس تاریخی دَور کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہا:

''اُنہوں نے کبھی ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنا کام نکالنے کی کوشش نہ کی دوسرے سیاست دانوں کی نسبت وہ بڑے ٹیڑھے آدمی تھے اور ہمارے ساتھ تکبر اور تنک مزاجی سے پیش آتے رہے۔ وہ پریس کانفرنس کے لیے اکثر ہمیں اپنے گھر بلاتے لیکن کبھی اُنہوں نے ہمیں چائے یا سگریٹ نہ پلائی۔ شاید وہ اس قسم کی تواضع کو بھی ایک طرح کی رشوت سمجھتے تھے''۔

ایک دن بمبئی میں ایک پریس کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد مسٹر جناح کمرے سے باہر نکلنے والے تھے کہ میرے ایک ساتھی نے ان سے ایک اور سوال پوچھ لیا۔ اُنہوں نے فوراً ڈانٹ کر جواب دیا: ''کانفرنس ختم ہو چکی، اب آپ محض وقت ضائع کر رہے ہیں۔ (ہیکٹر بولائیتھو)

98 ۔ کوتاہ نظر مسلمان

1944ء میں بمبئی میں جناح گاندھی مذاکرات کبھی کبھی دو دو، تین تین دن کے وقفہ کے بعد ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گاندھی جی اِکیس ماہ رمضان کو بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ قائداعظم نے بذریعہ اخباری بیان یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ چونکہ اُس دن حضرت علیؑ کا یومِ شہادت ہے اس لیے وہ گفت وشنید نہیں کریں گے۔ قائداعظم کا اخباری بیان پڑھ کر مولانا ظفر الملک صاحب نے لکھنؤ سے قائداعظم پر اعتراض کیا

کہ شیعہ عقیدے کو مسلمانوں سے منسوب کرنے کا آپ کا کوئی حق نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس زمانہ میں بدنصیبی سے لکھنؤ میں کچھ مسلمان مدح وقدح صحابہ کی تحریک میں دست و گریبان اور ایک دوسرے پر گندگی اُچھال رہے تھے۔ قائداعظم جس دن سے ہز ہائی نس آغا خاں کی امامت سے منکر ہوئے اُس دن سے اُنہوں نے تادمِ مرگ ایک اچھے اور حقیقی مسلمان کی حیثیت سے خود کو ایسی بلندی پر رکھا جہاں کسی بھی عقیدہ کا گزر نہیں تھا۔ اُنہوں نے مولانا کو اپنے روایتی انداز میں مختصر سا جواب یہ کہہ کر دیا: ''مجھے علم نہیں تھا کہ آپ جیسے کوتاہ نظر مسلمان ہنوز موجود ہیں۔'' یہ صرف شیعہ عقیدہ کا سوال نہیں۔ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم تھے۔ رمضان کی اِکیس تاریخ کو بے شمار شیعہ وسُنی مسلمان بلالحاظ عقائد یومِ شہادت مناتے ہیں۔ (نواب صدیق علی خان)

99۔ ایڈیٹر کا حق

میں جناح سے ملنے اُن کی قیام گاہ گیا۔ ان کا دولت کدہ نمبر 10 اورنگزیب روڈ پر واقع ہے۔ مکان مسجد نما ہے اور سرخ وسیاہ مرصع کاری سے بھر پور۔ اُن کے پردے پر ہندوستان کا نقرئی نقشہ بنا ہوا ہے۔ پاکستان کو سبز رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ آج کی ملاقات میں وہ پہلے سے زیادہ پُرتپاک نظر آرہے تھے۔ ہم نے پریس پر بہت کچھ اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے کہا: ''آل انڈیا ایڈیٹرز کانفرنس میں سب کے سب ہندو نمائندے تھے۔ ڈان کا جو میری ملکیت ہے صرف ایک مسلم نمائندہ شریک تھا۔ اگرچہ آپ یقین نہیں کریں گے لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں اس اخبار کی براہِ راست پالیسی میں حائل نہیں ہوا کیونکہ پالیسی کی ترتیب میں ایڈیٹر کا حق ہے اور یہ چیزیں اسی کے دائرہ اختیار میں آتی ہیں، میں اس سے خوب واقف ہوں۔'' (کیمبل جانسن)

راویوں کا تعارف

احتشام الحق تھانوی، مولانا:

مشہور عالمِ دین، تاحیات ریڈیو پاکستان سے درسِ قرآن دیتے رہے۔

اشرف احمد، خواجہ:

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کے ایک عہدہ دار۔

اشفاق نقوی، سید:

مسلم لیگ کا ایک کارکن

اصفہانی، ایم اے ایچ:

کیمبرج یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ، پاکستان کے معروف تاجر اور صنعت کار۔ کلکتہ کارپوریشن، بنگال لیجسلیٹو اسمبلی اور پاکستان قانون ساز اسمبلی کے ممبر۔ 1941ء تا 1947ء آل انڈیا مسلم لیگ کے مجلسِ عاملہ کے رُکن۔ یو ایس اے اور یو این او میں پاکستان کے پہلے سفیر۔ یو کے میں ہائی کمشنر۔ وزیر صنعت و تجارت حکومت پاکستان۔ قائداعظم کے ایک قابل، وفا شعار اور معتمد نائب۔

افتخار علی، ملک:

قائداعظم کے ایک معتمد رفیق ملک برکت علی ایڈووکیٹ کے فرزند۔

اکرام تھینیئل، مسز:

لیڈی کمپاؤنڈر، اگست 1947ء میں قائداعظم کی تیمارداری کے لیے انہیں سبی کے سول ہسپتال سے زیارت میں بلایا گیا جہاں وہ پندرہ دن مقیم رہیں۔

الانا، جی:

مشہور شاعر، ادیب اور تاجر۔ سندھ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری۔ آل پاکستان مسلم لیگ کے فنانس سیکرٹری۔ کراچی کے میئر۔ مغربی پاکستان قانون ساز اسمبلی کے رکن۔ یو این او میں پاکستان کے نمائندے۔ صدر ایوانِ صنعت و تجارت۔

الٰہی بخش، ڈاکٹر، کرنل:

زیارت میں قائداعظم کے معالج۔

الطاف حسین:

ہلال قائداعظم، 1938ء تک مختلف کالجوں میں انگریزی کے اُستاد۔ 1945ء میں ڈان دہلی اور بعد میں ڈان کراچی کے ایڈیٹر: 1951ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں نمائندہ پاکستان کی حیثیت سے شریک۔

پال، جسٹس ذکی الدین:

جسٹس (ریٹائرڈ) پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک عہدہ دار۔

چمن لال، دیوان:

وکیل۔ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔

چندریگر، ابراہیم اسمٰعیل:

مشہور وکیل۔ 1940ء تا 1945ء بمبئی مسلم لیگ کے صدر۔ 1947ء میں وزیر صنعت و تجارت۔ 1948ء میں افغانستان میں سفیر۔ 1950ء میں سرحد اور بعد ازاں پنجاب کے گورنر۔

حاتم اے علوی:

صحافی۔ ماہر اقتصادیات۔

حسرت موہانی، مولانا:

شاعر، ادیب، سیاستدان۔

حسن اے شیخ:

بمبئی مسلم لیگ کے ایک عہدہ دار۔

حسین، این اے:

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) 29 جون 1948ء کو قائداعظم کے اے ڈی سی مقرر ہوئے اور ان کے آخری وقت تک اسی عہدہ پر قائم رہے۔

حنیف مینار:

بمبئی میں قائداعظم کے دیرینہ رفیق کار محمد علی مینار کے صاحبزادے۔

رئیس احمد جعفری ندوی:

بے شمار علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی کتب کے مصنف۔

سعید اے ہارون:

زعیم مسلم لیگی حاجی سر عبداللہ ہارون کے صاحبزادے۔

شمس الحسن، سید:

آل انڈیا مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری۔

صدیق علی خاں، نواب:

12 سال تک مسلسل قائداعظم کے قریب رہے، غیر منقسم ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر، سالارِ اعلیٰ آل انڈیا مسلم لیگ نیشنل گارڈ۔ مصنف۔ بے تیغ سپاہی

عاصم ملک:

کوئٹہ کے ایک ایڈووکیٹ

عباس محمود العقاد:

مصر کے ایک ادیب

عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر:

مشہور صحافی اور فن خطابت کے استاد۔ مصنف

عبدالقادر، سرشیخ:

مدیر مخزن

عبدالقادر لاکھانی:

1935ء تا 1947ء بہاؤنگر سٹیٹ مسلم لیگ کے صدر

عزیز احمد:

آئی سی ایس۔ متعدد اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

غلام علی خاں، نواب:

نواب آف کمالیہ۔

فرخ امین:

گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم کے ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری کوئٹہ اور زیارت میں قائداعظم کے ساتھ ان کے آخری دنوں کے ساتھی، منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی سیکرٹری۔

کیمبل جانسن:

صحافی، مصنف ''عہدِ لارڈ ماؤنٹ بیٹن''

لیاقت علی خاں:

پاکستان کے پہلے وزیراعظم، کل ہند مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری۔ شہیدِ ملت۔

لیاقت علی خاں، بیگم:

رعنا۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم کی اہلیہ۔ سفیر پاکستان۔

محبوب عالم عکس:

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک عہدہ دار۔

محمد حنیف آزاد:

قائداعظم کے ایک نجی ملازم۔ ڈرائیور۔ اداکار۔ فلمساز

محمد سعید دہلوی، حکیم:

چیئرمین ہمدرد ٹرسٹ

محمد شفیع:

تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے نامور کارکن۔ 1936ء میں پنجاب مسلم لیگ کے پروپیگنڈا سیکرٹری۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے نائب صدر۔ انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ کے صدر۔ معروف صحافی۔

محمد علی، چودھری:

ایم ایس سی۔ پاکستان کے وزیراعظم۔ ماہر مالیات، ممتاز سیاستدان۔ 1947ء میں سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان۔ وزیر مالیات۔

محمد مسعود:

کھدر پوش۔ متعدد اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

محمد نعمان:

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک عہدہ دار۔

محمد یامین خاں:

آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک عہدہ دار۔ مصنف ''نامہء اعمال''۔

محمد یعقوب علی، جسٹس:

چیف جسٹس (ریٹائرڈ پاکستان سپریم کورٹ)

محمد یونس:

ایک صحافی، تحصیل مسلم لیگ کے ایک عہدہ دار۔

مختار زمن:

1944ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری۔

مشتاق احمد خاں:

نواب، نظام حیدر آباد دکن کے سفیر۔

مصطفیٰ کمال پاشا:

آل انڈیا مسلم لیگ کے کونسلر میاں فیروز الدین احمد کے فرزند۔

مطلوب الحسن سید:

قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری (**1940**ء تا **1944**ء) پاکستان پرنٹنگ اکیوپمنٹ لمیٹیڈ کے مالک۔ محمد علی جناح کے پولیٹیکل سٹڈی کے مصنف۔

ممتاز حسن:

مینجنگ ڈائریکٹر نیشنل بینک آف پاکستان۔ متعدد اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

منظور الٰہی:

سی ایس پی افسر۔ متعدد اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ادیب۔

نذیر احمد خاں، چودھری:

تحریک پاکستان کے ایک کارکن۔ نامور اور کامیاب ترین قانون دان۔ وزیر صنعت۔ اٹارنی جنرل۔ تنظیم اتحاد اسلامی الاحبا کے بانی۔

نصرت عبداللہ ہارون، بیگم:

لیڈی ہارون، سر عبداللہ ہارون۔ قائداعظم کے ایک معتمد رفیق کی بیگم۔

وحید الدین، فقیر سید:

تاجر، مصنف 'انجمن'۔

ولی بھائی، سیٹھ:

تاجر، مالک بمبئی کلاتھ ہاؤس۔

ہیکٹر بولائیتھو:

مشہور برطانوی مؤرخ اور وقائع نگار۔

☆☆☆

حوالہ جات

(انگریزی کتابیں)

1.Jinnah of Pakistan,Write:Stanley Wolpert, Publish:Oxf Uni. 2005.

2-Jinnah,India-Partition-Independence,By:Jaswant Singh,Rupa-2009.

3-Jinnah:Creator of Pakistan,By:Hector Bolitho, Oxf. Uni. Press-2006.

4- With the Quaid-i-Azam During His Last Days By:Ilahi Bakhsh, Fatima Jinnah (Foreword),Oxford Univerity Press,Pakistan-2011.

5-Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah-His Personality and his Politics,By:S.M.Burke,Salim Al-Din Qurais,Ohixf. Uni. Press.

6-The Charismatic Leader,By:Sikandar Hayat, Oxf. Uni.Press.

7-Quaid-e-Azam Mohammad Ali Jinnah, A Speechess Governor-General of Pakistan, By:Mohammad Ali Jinnah

8-Jinnah-Speeches and statements 1947-1948,By:Muhammad Ali Jinnah,Oxford University Press,Pakistan.

9-My Brother,By Fatima Jinnah,Quaid e Azam Acad.,Karachi-1987.

10-Memories of Jinnah,By:K.H.Khurshid,Khalid Hasan, Sang-e-Meel.

11-Jinnah as a Parliamentarian, By Malik Mohammad Jafar,I.A.Rehman,GhaniJafar,Sang-e-Meel, Lahore.

12-Quaide Azam Concept of Pakistan ,By:S.Irtiza Husain.

13-Qaid-e-Azam Jinnah As I Knew Him (Founder of Pakistan),M.A.H.I.

14-Qaid-E-Azam Jinnah as I Knew HiB,my: M.A.H Ispahani.

15-Quaid-e-Azam Jinnah The Story of A Nation.G.Allana,Feroz Sons.

(اُردو کتابیں)

۱۔ حیاتِ قائداعظم، (ہنری ہیکٹر بولیتھو)، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 2012ء

۲۔ جہانِ قائداعظم، پروفیسر محمد شریف بقاء

۳۔ قائداعظم، بیسویں صدی کا بڑا انسان، سردار محمد چودھری

۴۔ قائداعظم ابتدائی حالات، انتظار حسین

۵۔ قائداعظم، تقاریر و بیانات، جلد 4-1، ترجمہ: اقبال احمد صدیقی، بزمِ اقبال لاہور

۶۔ قائداعظم جناح، مرزا ابوالحسن اصفہانی، فارورڈنگ پبلشنگ، کراچی، 1976ء

۷۔ قائداعظم بہ حیثیت گورنر جنرل، قیوم نظامی

۸۔ حیاتِ قائداعظم، پروفیسر سعید راشد علیگ، اَشرف رضوی

۹۔ قائداعظم، گفتار و کردار، پروفیسر سعید راشد علیگ، اَشرف رضوی

۱۰۔ تفاخرِ پاکستان، ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

۱۱۔ ہمارے قائداعظم، اعجاز احمد

۱۲۔ قائداعظم کا نظریۂ ریاست، قیوم نظامی

۱۳۔ قائداعظم، خطوط کے آئینے میں، خواجہ رضی حیدر، پیس پبلی کیشنز، لاہور 2015ء

۱۴۔ قائداعظم کے ماہ و سال، محمد علی چراغ، ایس ایم پبلی کیشنز، 2003ء

۱۵۔ قائداعظم، سیاسی و تجزیاتی مطالعہ، محمد سلیم

۱۶۔ اَخلاقِ قائداعظم، ندیم باری، مکتبۂ نوریہ، فیصل آباد 2004ء

۱۷۔ علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریۂ پاکستان، ڈاکٹر اسرار احمد، 2007ء

الوحید ادبی اکیڈمی خان پور پیش کرتے ہیں

۱۔ سہ ماہی بچے من کے سچے خان پور

(۲۰۰۷ء سے شایع ہونے والا بچوں کا رسالہ)

۲۔ گل دستہ اَدب

(بہاول پور کے معروف اُدبا و شعراء کے تعارف و احوال پر مشتمل)

۳۔ اَدبی کہکشاں

(دنیا بھر کے معروف اُدبا و شعراء کے موبائل فون نمبرز ڈائریکٹری)

۴۔ پنجاب کے تاریخی قلعے

(پنجاب کے معروف تاریخی قلعوں کا منفرد اَحوال)

۵۔ قائد اعظمؒ 99 واقعات

(اتحاد، ایمان اور تنظیم کی روشنی میں قائد کے فرمودات)

۶۔ اَرفع کریم۔ فن و شخصیت

(آئی ٹی ایکسپرٹ، مائیکروسافٹ پروفیشنل سرٹیفائیڈ)

۷۔ محوِ حیرت

(ریاست بہاول پور کی منفرد اور جامع تاریخ کے نمایاں پہلوؤں کا جائزہ)

۸۔ محکمانہ ریکارڈز

(ضلع رحیم یار خان کے تمام محکموں کا ریکارڈ، معلومات و دیگر)

۹۔ ڈویژن بہاول پور موبائل فون ڈائریکٹریز

(تحصیل لیول پر ٹیلی فون ڈائریکٹری)

۱۰۔ نکتہ دَاں

(اَخبارات اور رَسائل میں شایع ہونے والے مضامین کا مجموعہ)

۱۱۔ ادراکِ سخن

(اُردو، سرائیکی، پنجابی زبان میں علمی، ادبی اور ثقافتی مجلّہ)